बयासी दिन पाकिस्तान मे

जैन

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

بیاسی دن پاکستان میں

از جے۔ این۔ [illegible]

ایڈیٹر روزانہ "پیمبات" پشاور

قیمت فی جلد ایک روپیہ

خیبر پبلشنگ ہاؤس دہلی

نذر

میں اپنی پہلی تصنیف "بیاسی دن پاکستان میں" پشاور
نواسی دیوان کے۔سی۔ کھنہ کی خدمت میں پیش کرنے
کی جسارت کرتا ہوں۔

جنہوں نے بغیر نام و نمود کی خواہش کے اپنے وطنی بھائ
کی خدمت کی۔

کھنہ ریفیوجی کیمپ میرٹھ سے پشاور کے کتنے ہی خاندا
مستفید ہوئے۔ پاکستانی ظلم وستم کے کتنے ہی مصائب
زدہ بھائیوں نے یہاں ریلیف حاصل کی۔

مجھے اُمید ہے کہ دیوان صاحب موصوف اسے تحفہ
درویش سمجھ کر قبول فرماتے ہوئے مجھے مشکور ہونے
کا موقع دیں گے۔

جے۔ این۔ نیر
دہلی

(فاروقی پریس لال کنواں دہلی)

مقدمہ

۵. نومبر ۱۹۴۷ء میری زندگی کا تاریک ترین اور منحوس دن ہے جبکہ مجھے اپنے
پشاور آبائی وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ صبح کے گیارہ بجے ہم لوگ ایک لاری پہ سوار ہو کر پشاور
چھاؤنی کے ہوائی میدان پہ پہنچے۔ ان دنوں پشاور میں جو حالات پیدا ہو چکے
تھے۔ اُن کی موجودگی میں کسی ہندو یا سکھ کے لئے اکیلے وکیلا نہیں آنا جانا موت
کو دعوت دینے کے مترادف بن چکا تھا۔ چنانچہ پشاور ریلیف کمیٹی کی طرف سے یہ
انتظام تھا کہ ہند جانے والی ہوائی جہاز کی سواریوں کو اکٹھے لاری میں سوار کرکے
ہوائی میدان پہ پہنچایا جائے۔ بہرکیف ایک بجے کے قریب ہمارے ہوائی جہاز نے
ہند کی جانب پرواز شروع کیا۔ اور غالباً شام کے پانچ بجے کے بعد ہم انبالہ کے
ہوائی میدان میں پہنچ گئے۔

انبالہ کے ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد ایک فوجی افسر نے سب سے پہلا سوال
جو مجھ سے دریافت کیا وہ پاکستان میں آپ لوگوں پہ کیا بیتی؟ کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔
اس کے بعد جہاں کہیں بھی مجھے جانے کا اتفاق ہوا میں نے دیکھا کہ لوگوں میں ان
حالات کو جاننے کی بہت بڑی خواہش موجود ہے۔ ہر ایک مجلس میں دوستوں نے
سارے حالات سننے پہ اصرار کیا۔ اور جب میں نے مختصراً انہیں ان حالات سے آگاہ
کیا جن کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑا جنہیں تقدیر نے پاکستان کے مظالم دیکھنے کیلئے
وہاں رکھا۔ تو مجھے دوست احباب نے یہی رائے دی کہ میں ان حالات کو ایک کتابی
صورت میں شائع کر دوں۔ لیکن میرے لئے اس کس مپرسی کے زمانے میں جبکہ میرا
سارا اثاثہ پاکستان میں رہ گیا ہے اور مجھے دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور زندگی
اور بچوں کی رشتہ قائم کرنے کیلئے ذریعہ معاش کی "تلاش" سب سے پیش نظر کھڑی تھی۔
اہم کام کو ہاتھ میں لینا انتہائی دشوار نظر آتا تھا۔ لیکن دوستوں کی تاکید نے

دن بدن بڑھتے گئے۔ اور آخر ش مجھے "سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے"۔ کہتے ہوئے اس کام کو شروع کر دینا پڑا۔

گو کام جلد ختم کرنے کا ارادہ تھا۔ تاہم بعض مجبوریاں سدِ راہ ہوئیں۔ اور جلد یہ کام پورا نہ ہو سکا۔ لیکن اب مقامِ شکر ہے کہ میں اُن حالات کو کتابی صورت میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جہاں ایک اہم فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ وہاں اُن دوست احباب کے سامنے بھی سرخرو ہوں جنہوں نے اس کام کو سرانجام دینے کو کہا تھا۔

ملک کے بٹوارے کے بعد اُس حصۂ ملک کے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ کیا بیتی جسے پاکستان کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وحشت بربریت اور ظلم و ستم کی ایسی طویل اور دردناک داستان ہے جس کا جواب آپ کو تاریخ کے صفحات پر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکیگا۔ اس لئے میرے لئے یہ بات انتہائی دشوار ہے کہ میں اس چھوٹی سی کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ جبر و تشدد کی ساری رُوئیداد درج کر سکوں۔

پاکستانی مظالم کی پوری داستان صفحۂ قرطاس پر درج کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ جب تو اس کتاب میں صرف ظلم و ستم کے چند ایک موٹے موٹے کارناموں کا ہی ذکر کیا گیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اس میں بھی کامیاب ہو جاؤں۔ تو یہ خود میرے لئے بڑی اچنبھے کی بات ہوگی۔

پاکستان کی تعمیر کے بعد پاکستانی سرکار کا اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک رہا ہے۔ وہ ہند سرکار کے سلوک سے قطعی جُدا ہے۔ جہاں ہند سرکار مسلمانوں کی ہر طرح حفاظت کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھے ہوئے ہے وہاں پاکستان سرکار کے سرکردہ اراکین نے ہندوؤں سکھوں کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں کیں۔ اور ایسے حالات پیدا کئے۔ کہ لاکھوں ہندو اور سکھ اپنے آبائی گھروں اربوں روپوں کی جائیدادوں اور کروڑوں روپوں کا کاروبار کو چھوڑ کر ہند آنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ البتہ پاکستان

میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو آج بھی ہندو مسلم ایکتا میں یقین رکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے نہایت مصائب کے دنوں میں بھی اپنے ہندو سکھ دوستوں کو غنڈہ گردی سے محفوظ رکھا اور کتنے ہی مقامات کو نذر آتش ہونے سے بچایا۔ ناسپاسی ہوگی اگر پاکستان میں رہنے والے ایسے دوستوں کا یہاں شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ اور اس کتاب کے اوراق میں اُن کے کارناموں سے پردہ پوشی کی جائے۔ چنانچہ میں نے کوشش کی کہ بغیر لگی لپٹی یا رنگ آمیزی کے صحیح حالات عوام کے سامنے رکھوں اور تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہی بات کہہ دوں۔ جو سچ ہے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں۔ اس کا اندازہ ناظرین کرام پر چھوڑتا ہوں۔

یکم مارچ ۱۹۴۸ء
دہلی

جے۔ این۔ ساحر
ایڈیٹر روزانہ "دیش سیوک" پشاور

سازش کی ابتدا

مجھے صحیح طور پر تو یاد نہیں لیکن غالباً لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے پلان کو منظور کر لینے کے بعد موجودہ کانگریس سرکار کے ایک سرکردہ رکن نے کہا تھا کہ :-

"جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے عملی طور پر اُن صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ پاکستان تو پہلے ہی بنا ہوا ہے۔ اور اب قانونی طور پر پاکستان مان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

یہ خیال نہ صرف متذکرہ بالا صاحب کا تھا۔ بلکہ پاکستانی علاقہ میں رہنے والے ایسے ہندو سکھوں کی بھی تعداد کم نہیں جو اسی طرح کا خیال رکھتے تھے حالانکہ بعد ازاں حالات نے ثابت کر دیا۔ کہ یہ خیال چاہے اس کی اختراع ملک کے ایک سرکردہ سیاستدان کا دماغ ہی کیوں نہ ہو۔ سراپا غلط گمراہ کن اور تباہ کرنے والا تھا۔ یہ درست ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی ہر اُس صوبے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی یا یوں کہہ لیجئے کہ جسے مسٹر جناح پاکستان میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ پاکستان بن چکا تھا۔ دفتروں کے بڑے افسروں سے لے کر معمولی چپڑاسیوں تک پاکستانی سازش میں شریک کار تھے۔ اور ہر ایک پاکستان کی تعمیر پر تُلا ہوا تھا۔ سبھی سرکاری اداروں کی تائید مسلم لیگ کو حاصل تھی۔ اور انگلینڈ کے ساتھ اُن کے اپنے وطن میں محض اس لئے حق تلفی ہو رہی تھی کہ اُن کا مذہب وہ نہیں۔ جو چار دن بعد پاکستان کا سرکاری مذہب بننے والا تھا۔

ایسے وقت میں پاکستانی علاقوں میں صرف صوبہ سرحد ایک ایسا علاقہ تھا۔ جہاں کانگریس کا کافی اثر و رسوخ تھا اور ڈاکٹر خان صاحب کی زیر قیادت

صوبہ کے اندر کانگریس وزارت برسرِاقتدار تھی لیکن اس صوبے میں بھی پاکستانی
سازشیں بدستور جاری تھیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ برطانوی بیوروکریسی اور
مسلم لیگ کی ساری طاقتیں اس صوبے میں کانگریس کے اثر و رسوخ اور خان برادران
کی طاقت کو تباہ کر دینے میں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود سرحد کے غیور پٹھانوں
نے ہمیشہ ان منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا ثبوت
گذشتہ جنرل انتخابات ہیں جو پاکستان کے سوال پر لڑے گئے۔ ان انتخابات میں مسلم
لیگ کی شکست فاش خود پکار پکار کر دنیا کے سامنے شہادت پیش کر رہی ہے لیکن
اس شکست کے باوجود برطانوی مدبر نراش نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے صوبہ
سرحد کو پاکستان میں شامل کرنے کیلئے اپنی شاطرانہ سرگرمیاں اور زیادہ تیز کر دیں۔
اور آخر لارڈ مونٹ بیٹن کے ۳۔ جون ۱۹۴۷ء کے پلان کے ذریعہ پاکستان اور
ہندوستان میں شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کی شرط محض دنیا کی آنکھوں میں
دھول جھونکنے کے لئے رکھنے کے بعد صوبہ سرحد کو جبراً پاکستان میں شامل کر دیا۔

صوبہ سرحد کی قوم پرست جماعت نے جو خدائی خدمتگار تحریک کے نام سے
مشہور ہے۔ اس ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور جو حالات برطانوی مدبروں اور
مسلم لیگ کی سازش نے سرحد میں پیدا کر دیئے تھے۔ اُن کی موجودگی میں اس تحریک
کے رہنما خان عبدالغفار خاں کے لئے استصواب رائے کے بائیکاٹ کے سوا
اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ خدائی خدمتگار جماعت جو ہمیشہ تقسیم ہند کی مخالف رہی
ہے کا مطالبہ تھا کہ استصواب رائے پاکستان اور آزاد پٹھانستان کے سوال پر ہو۔
لیکن دوسری طرف مسلم لیگ والے یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ پٹھانستان کی تحریک
کو چلے گو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ لیکن وہ پٹھانوں میں بہت مقبول ہو رہی تھی۔ اور مسلم
لیگیوں کو اندیشہ تھا۔ کہ اگر ریفرنڈم پاکستان اور پٹھانستان کے اشو پر ہوا۔ تب
ہمارے لئے اس معرکہ کو سر کرنا دشوار ہو جائیگا۔ کیونکہ ایسی حالت میں وہ منافرت
انگیز پروپیگنڈہ ہندو مسلم سوال دو قوموں کی مجبوری جسے درحقیقت مسلم لیگ

کہ طاقت کی کنجی کہا جا سکتا ہے۔ کہا مانا دشوار ہو جاتا ہے یہی باعث تھا کہ مسلم لیگ سے پٹھان
کے سوال پر میدان میں اترنے سے کتراتی تھی۔ اس لئے برطانوی مدبروں نے جو
درحقیقت پاکستان کے بانی ہیں۔ اس اشو کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ
صوبہ سرحد میں یک طرفہ ریفرینڈم ہوا۔ اور میں بلا مبالغہ یہ بات کہہ سکتا ہوں۔
کہ اس یک طرفہ ریفرینڈم میں بھی مسلم لیگ کو مات کھانی پڑتی۔ اگر کھلم کھلا بندوں بے
ایمانی نہ کی گئی ہوتی۔ ریفرینڈم میں ان لوگوں کے ایک دو نہیں سینکڑوں ووٹ
لیگ کے حق میں پول کرائے گئے جنہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے کافی عرصہ
ہو گیا ہے۔ ایسے واقعات بھی کم نہیں۔ جن میں ووٹ پول کرنے والا صوبہ کی کسی
جیل کی کال کوٹھڑی میں اخلاقی قیدی کی حیثیت سے زندگی کے دن پورے کر
رہا ہو۔ اس کے علاوہ ایسے بھی کتنے کیس ہوئے جن میں ووٹ اس آدمی کے پول کئے گئے
جو خدائی خدمتگار تحریک میں ممتاز درجہ کا مالک ہو اور مسٹر جناح کی دو قوموں کی تھیوری کو
انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ لیکن جیسا میں نے بتایا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا
سرکاری افسر صوبہ سرحد کو پاکستان میں شامل کرنے کی سازش میں شریک تھا۔ اس
لئے یہ بے ایمانیاں اعلانیہ ہوتی رہیں۔ سرحد کی کانگریس وزارت بے بس تھی۔ ڈاکٹر
خانصاحب اور ان کے ساتھی جو چاہتے تھے۔ حکومت کی مشینری اس کے برعکس
عمل کرتی تھی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو بتانے کے لئے ریفرینڈم کے ڈھونگ کا فیصلہ
پاکستان کے حق میں ہو گیا حالانکہ صوبہ کی اکثریت خدائی خدمتگار جماعت کے ساتھ
تھی۔ پٹھانوں کا نظریہ بھی یہی تھا۔ کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم آباد ہے پٹھان
ہمیشہ تقسیم ہند کے مخالف رہے وطن کی آزادی کے لئے انہوں نے ہر ممکن قربانیاں
دیں۔ لیکن برطانوی سامراج نے ان پر زبردستی پاکستان ٹھونس دیا۔ یعنی آپ یوں
کہہ لیجئے۔ کہ پٹھان آزادی کے لئے بے بہا قربانیاں دینے کے بعد بھی غلام کے
غلام ہی رہے۔ اگر کوئی فرق ہوا تو صرف اتنا کہ پہلے جہاں وہ انگریز کے غلام تھے
اب ان لوگوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جن کا زاویہ نگاہ ان

سے قطعی مختلف ہے۔ اور جو برطانوی سامراج کے ایجنٹ ہیں۔

اب خدائی خدمتگاروں کا نصب العین آزاد پٹھانستان ہے۔ وہ اپنے لئے علیحدہ حق مانگتے ہیں۔ اس میں وہ کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ اس سوال کا صحیح جواب تو وقت ہی دے سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ مجھ سے دریافت کریں۔ تو میں آج بھی اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جسارت کرونگا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو آزاد قبائل میں

اس جگہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء کا ذکر کرنا بھی موزوں جان پڑتا ہے۔ جبکہ پنڈت جواہرلال نہرو انٹرم گورنمنٹ کے وزیر اعظم کی حیثیت سے صوبہ سرحد میں تشریف لائے پنڈت جی کی آمد کا مقصد صوبہ سرحد کے قبائل کے نام دوستانہ سندیش دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن برطانوی سامراج اور مسلم لیگ یہ بات کب برداشت کر سکتی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی پنڈت جی کے اس ارادہ کا علم ہوا۔ برطانوی سامراج کے ایجنٹوں نے قبائل میں غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دی اور پشاور میں بھی مسلم لیگ کی طرف سے اپنے ناپاک مشن کو پورا کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا گیا۔ عام طور پر یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔ کہ آزاد قبائل کی آزادی خطرے میں ہے اور کانگریس سارے ہندوستان کے ساتھ آزاد قبائل پر بھی سورن ہندوؤں کا راج چاہتی ہے۔ ان دنوں پشاور میں کاغذ کی کمی کے باعث بڑے پوسٹروں کی اشاعت سرکاری طور پر بند تھی۔ تجارتی پوسٹر بھی دس سے زائد نہ چھپ سکتے تھے لیکن مسلم لیگ کے ساتھ تو حکومت کی ساری مشینری تھی۔ چنانچہ "نہرو واپس چلے جاؤ" اور اس طرح کے دوسرے عنوانوں سے بڑے بڑے پوسٹر لاکھوں کی تعداد میں چھاپے گئے۔ لیکن کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

ادھر اتفاق سے اسی وقت پنجاب کے مشہور تجارتی شہر امرتسر میں گیا ہوا تھا

کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت کے فرائض ڈاکٹر راجندر پرشاد نے سرانجام
دیئے۔ مسلم لیگ نے اس بات کو لے کر قبائل میں یہ چرچا شروع کر دیا۔ کہ ہندو
گائے کی قربانی بند کرا رہے ہیں۔ ڈاکٹر خانصاحب اور خان عبدالغفار خاں ہندوؤں
کے ایجنٹ ہیں۔ مانکی کا ملا جسے پیر آف مانکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس
مہم کو کامیاب بنانے میں پیش پیش تھا۔ مختلف پولیٹیکل ایجنسیوں کے ایجنٹ اسے
قبائل میں پروپیگنڈہ کرنے کی ہر ایک سہولت مہیا کرتے رہے ہیں۔ لیکن دوسری
طرف ان قوم پرست خدائی خدمتگار رہنماؤں پر ایجنسیوں اور قبائلی علاقہ کے سارے
دروازے بند تھے کیونکہ یہ مسلم لیگ کے غلط پروپیگنڈہ کا جواب دے سکتے تھے۔
قبائیلیوں کے سامنے صرف تصویر کا ایک رُخ رکھا گیا۔ تاہم قبائل کا وہ سمجھدار
طبقہ جو برطانوی سامراج کی چالوں سے واقف ہو چکا تھا اس پراپیگنڈے سے
میں نہ آیا۔ بلکہ انہوں نے اس قسم کی تمام حرکات کی مذمت کی۔ قبائلی علاقہ کے
ایک سرکردہ مولوی جن کا نام غیرت گل ہے انہیں دنوں پشاور میں میرے پاس دفتر
روزانہ پربھات میں آئے اور انہوں نے بتایا۔ کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے دورے
کو ناکام بنانے کے لئے ساری ایجنسیوں کے پولیٹیکل ایجنٹ پوری پوری کوششیں
کر رہے ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ چنانچہ حالات نے یہ بات
ثابت کر دی پشاور میں پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد پر جو مخالفانہ مظاہرہ کرایا گیا
اس میں سب سے بڑا ہاتھ پولیٹیکل ایجنٹوں کا ہی تھا۔ ملاکنڈ ایجنسی کا پولیٹیکل
ایجنٹ نواب شیخ محبوب علی تو اس ڈرامے میں ہیرو کا درجہ رکھتا تھا۔ ملاکنڈ ایجنسی
سے بے شمار لوگ پشاور میں مظاہرے کرنے کے لئے لائے گئے۔ اور ان سے
بات چیت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ مظاہرین میں سے ہر ایک آدمی کو آمد و رفت کا کرایہ
خوراک اور دو روپیہ روزانہ معاوضہ دیا گیا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ مظاہرہ
کرنے والوں کو اتنا بھی علم نہ تھا۔ کہ پشاور میں ہم کس مقصد کے لئے جا رہے
ہیں اور وہ کونسی خدمات ہیں جن کے صلے میں یہ محنتانہ دیا جا رہا ہے۔ دُنیا

اس سے بڑا فراڈ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرحد کی کانگریس سرکار اور خدائی خدمتگار رہنما اس بات سے پوری طرح باخبر تھے لیکن جوابی طور پر کچھ کرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے کئی ایک وجوہات ہیں۔ سرحد کی کانگریس وزارت کے ہاتھ میں پورے اختیارات نہ تھے۔ گورنر بحیثیت ایجنٹ گورنر جنرل اپنے علیحدہ اور خاص اختیارات رکھتا تھا۔ اور قبائل کے سلسلہ میں وزارت سے مشورہ لئے بغیر انہیں استعمال کر سکتا تھا۔ کانگریس وزارت کے علاوہ مختلف پولیٹیکل ایجنٹ تھے۔ جو اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار تھے۔ اور صرف گورنر صوبہ سرحد کے سامنے جوابدہ تھے۔ اور سب سے زیادہ اہمیت کی بات یہ ہے کہ صوبائی حکومت کے سرکردہ ملازم بھی سب کے سب خدائی خدمتگار سرکار کے مخالف تھے۔ ڈاکٹر خانصاحب نے رشوت خوری کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی تھی۔ اُس نے بھی ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ سارے کے سارے رشوت خور ملازم بھی وزارت کو زک پہنچانے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ حالات تھے جنہوں نے ڈاکٹر خانصاحب کی وزارت کو بے بس کر رکھا تھا۔ اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ان کی روک تھام سے قاصر تھے۔

سرحد کی خدائی خدمتگار وزارت کو کچلنے کے لیئے ایک محاذ پر جو دشمن اکٹھے ہوئے اُن میں نمبر اوّل تو برطانوی سامراج کا ہے اور اُس کے بعد مسلم لیگیوں پولیٹیکل ایجنٹوں اور سرکاری ملازموں کو دوسرا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وزارت کے خلاف عوام کو بھڑکانے کی سازش کامیاب رہی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد پر بھاڑے کے ٹٹوؤں کے ذریعے مظاہرے کرائے گئے۔ لنڈی کوتل ملاکنڈ اور دوسرے قبائلی علاقوں میں پنڈت جی کے قافلے پر پہاڑیوں سے گولیاں چلوائی گئیں اور پتھراؤ کرایا گیا۔

ملاکنڈ کے علاقہ میں تو خود اس ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ شیخ محبوب علی

نے جو صوبہ سرحد میں قوم پرست طاقتوں کا دیرینہ دشمن ہے۔ سارے ہنگامے اور شرارت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پتھراؤ کی وجہ سے ہند کے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کی ٹھوڑی پہ چوٹ لگی اور خدائی خدمتگاروں کے نیتا خان عبدالغفار خاں کی دو انگلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اگر اس موقع پہ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم صوبہ سرحد جرأت سے کام نہ لیتے تو ہو سکتا تھا کہ شیخ محبوب علی اپنے ناپاک مشن میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن ڈاکٹر خان صاحب نے فوراً ہی موٹر سے اُتر کر حملہ آوروں کے سامنے پستول تان لیا۔ جسے دیکھتے ہی شیخ محبوب علی کے سورما سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے اور اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا۔ اس موقع پہ حملہ آوروں کی تعداد کئی سو کے قریب بیان کی گئی ہے۔

ملاکنڈ سے کچھ اور آگے "ہیبٹ" کے مقام پہ جہاں بجلی حاصل کرنے کی آبشار بنی ہوئی ہے۔ پنڈت جی کے دورے کا پروگرام تھا لیکن شیخ محبوب علی کی سازش سے بروقت آگاہ ہونے کے باعث خان عبدالغفار خاں نے یہ پروگرام منسوخ کرا دیا۔ پنڈت جی کے خلاف جو مخالفانہ مظاہرے کئے گئے اس سے سرحد کے قوم پرست پٹھانوں میں غم اور غصے کی ایک لہر دوڑ گئی دوسرے دن خدائی خدمتگاروں کے مرکز سرداریاب میں جسے مسلم لیگ والے خان عبدالغفار خان کو مذہبی طور پہ بدنام کرنے کے لئے "آشرم" کہا کرتے ہیں۔ پنڈت جی کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ پشاور سے لے کر سرداریاب تک جس کا فاصلہ غالباً پندرہ میل سے زائد ہے۔ سڑک کے دو رویہ باوردی خدائی خدمتگاروں نے پنڈت جی کو سلامی دی۔ سرداریاب میں لاکھوں کی تعداد میں قوم پرست سارے صوبہ سے آئے ہوئے تھے۔ آزاد قبائل سے بھی ایک وفد آیا تھا۔ جن کے بیٹھنے کے لئے علیحدہ جگہ مقرر تھی۔ اس وفد نے بھی اپنی شان کے مطابق پنڈت جی کا سواگت کیا۔ ہر خدائی خدمتگار حب وطن کی مے سے مست تھا۔

چاروں طرف سرخ وردیوں میں ملبوس والنٹیر نظر آتے تھے۔ پنڈت جی کی آمد پر ۳۱ گولوں کی سلامی دی گئی اور سرحدی بینڈ سے آپ کا سواگت کیا گیا۔ صوبہ سرحد کی طرف سے سرحد پراونشل کانگرس کے صدر خان امیر احمد خان نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس کے جواب میں پنڈت جی نے تقریر کی۔ اس موقعہ پر خدائی خدمتگاروں کے رہنما خان عبدالغفار خان نے بھی تقریر کی۔ جس میں بتایا کہ برطانوی سامراج آج پٹھانوں کی خانہ جنگی کا خواہاں ہے۔

خدائی خدمتگاروں کے چیلنج کے باوجود اس دن نہ مسلم لیگ کو اور نہ ہی برطانوی سامراج کے ایجنٹوں کو ہمت ہوئی۔ کہ وہ کوئی مخالفانہ مظاہرہ کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج لاکھوں کے ہجوم کو لاتیں سامنے نظر آرہی تھیں۔ چالباز برطانوی سامراج کے ایجنٹ مکاری اور عیاری سے اپنا مطلب تو سدھ کر سکتے تھے۔ لیکن خدائی خدمتگاروں کی عظیم الشان طاقت کا اعلانیہ مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس دن پنڈت جی کا سواگت اسی شان و شوکت سے ہوا جس کا تقاضا ہندوستان جیسے عظیم دیش کے وزیر اعظم کی شان کرتی تھی۔

پاکستان کی راہ کا کانٹا

یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کہ پاکستان کے راستے میں سب سے بڑا کانٹا صوبہ سرحد اور سرحد کی خدائی خدمتگار تحریک تھی۔ بڑے بڑے برطانوی مدبر اور مسلم لیگ کے ستون اس تحریک کو مٹانے کے درپے تھے۔ صوبہ سرحد پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنے کے راستے میں سے یہ مشکل کس طرح دور ہو۔ اس بات سے یہ لوگ بہت پریشان رہتے تھے۔

مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن نے جس کی ابتدا ۱۶۔ اگست ۱۹۴۶ء کو بنگال کی راجدھانی کلکتہ میں کی گئی اور جس کی بدولت سارے ملک میں لاکھوں نہیں کروڑوں لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ بہار میں بھی ہلچل پیدا کر دی چنانچہ بہار کے فسادات نے برطانوی مدبروں اور مسلم لیگ کے مداریوں کے لیئے ایک اچھا موقع پیدا کر دیا۔ اس موقع سے انہوں نے ہر طرح فائدہ اُٹھایا۔ بہار کے مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم کی داستانیں بیان کرنے کیلئے صوبہ سرحد کے شہروں۔ قصبوں اور دیہاتوں میں مسلم لیگیوں نے جلسوں کا ایک طوفانی پروگرام شروع کر دیا۔ بہار کے مسلمانوں کی امداد کے لیے چندے کھینچنے کا ڈھونگ بھی رچایا گیا۔ ان جتھوں کی روانگی کے چار دن بعد صوبہ سرحد کے ہر ایک شہر اور ہر ایک قصبہ میں انسانی ہڈیوں مصنوعی تصویروں اور قرآن شریف کے پھٹے ہوئے اوراق کی نمائش شروع کر دی گئی۔ جلسوں میں لوگوں کو انسانی اعضاء کی ہڈیاں دکھا دکھا کر کہا جاتا کہ بہار میں مسلمانوں پر ہندوؤں نے بے پناہ ستم توڑے ہیں۔ قرآن شریف کے پھٹے ہوئے اوراق بتلائے جاتے اور لوگوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکایا جاتا۔ پشاور جو صوبہ سرحد کا دار الخلافہ ہے۔ ان سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ ہر روز یہاں جلسے ہوتے۔ جلوس نکالے جاتے۔ اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف صف آرا

کرنے کے لئے ہر ممکن حربے سے کام لیا جاتا۔ ہوٹلوں میں سینماؤں میں اور ہر چھوٹے بڑے قہوہ خانے میں مسلم لیگ کے باتنخواہ ورکر تماشائیوں کی حیثیت میں جاتے اور انہیں لاٹھیوں پر پراپیگنڈہ کرتے۔ غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو خاص طور پر آمادہ پیکار کیا جاتا۔ لوگوں کو ہندوؤں کے علاوہ خدائی خدمتگار تحریک سے متنفر کرنے کی مہم بھی جاری تھی۔ خدائی خدمتگاروں کو ہندوؤں کے ایجنٹ کہا جاتا۔ خان برادران پر طرح طرح کے الزام تراشے جاتے۔ غرضیکہ مذہب کے نام پر صوبہ سرحد کو کانگریس کے اثر و رسوخ سے نکالنے خان برادران کی طاقت کو زائل کرنے اور ہندوؤں کے خلاف مسلم عوام کو صف آرا کرنے کا کوئی ذریعہ بھی پیچھے نہیں چھوڑا گیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود فرقہ پرستی کی وبا تقریباً بڑے بڑے شہروں تک محدود تھی۔ اور سرحد کے دیہات جو خدائی خدمتگار طاقت کی شہ رگ ہیں۔ ان واقعات سے متاثر نہ ہوئے تھے۔ اور پٹھان ان سب کارروائیوں کا ذکر فرنگی کی چالیں کہہ کر کیا کرتے تھے۔

یہیں سلسلے میں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جن انسانی اعضاء کی ہڈیوں اور قرآن شریف کے پھٹے ہوئے اوراق کی نمائش سرحد میں کی گئی وہ بہار سے نہیں لائے گئے تھے بلکہ ہڈیاں کسی مقامی قبرستان سے قبریں کھود کر نکالی گئیں۔ اور اسی طرح قرآن کے اوراق خود پھاڑے گئے تھے۔ اس بات کا انکشاف مردان کے ایک اخبار ہفتہ وار "رہبر" نے کیا تھا جس کے ایڈیٹر محمد صفدر خان صادق تھے۔ انہوں نے اپنے اخبار کی ایک اشاعت میں ان باتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ بہار میں جو جتھہ مسلمانوں کی امداد کے لئے گیا۔ میں خود اس میں شامل تھا۔ اور یہ ساری سازش ہم لوگوں نے خود ہی بنائی ہے۔ مسٹر صادق لکھتے ہیں کہ انسانی اعضاء کی تازہ ہڈیوں اور پرانی ہڈیوں میں بہت فرق ہوتا ہے لیکن سرحد کے سادہ لوح لوگ ان گہرائیوں پر نہ تو غور کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی انہیں ایسا موقع ہی دیا جاتا۔ واضح رہے کہ مسٹر محمد صفدر خاں صادق

پہلے مردان مسلم لیگ میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ لیکن پھر چند ایک اختلافات کی بنا پر آپ مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔ جس کے بعد آپ نے یہ ساری داستان اپنے اخبار "رہبر" مردان میں لکھی:-

بہار کا بدلہ سرحد میں لینگے

صوبہ سرحد کے چھ اضلاع میں سے ایک کا نام ہزارہ ہے۔ جہاں گذشتہ جنرل انتخابات میں سارے صوبے میں خدائی خدمتگار جماعت نے مسلم لیگ کو منہ توڑ شکست دی۔ وہاں اس ضلع میں خدائی خدمتگار جماعت کو ہار دیکھنی پڑی۔ سارے ضلع میں خدائی خدمتگار جماعت صرف ایک نشست حاصل کر سکی۔ اور باقی دس نشستیں مسلم لیگ والوں نے لے لیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ضلع ہزارہ تمدنی اور معاشرتی طور پر سرحد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اس ضلع میں افغان قوم آباد ہے بلکہ اس میں زیادہ آبادی ان لوگوں کی ہے جن کا رہن سہن تہذیب اور تمدن پنجابیوں سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہے اور ان کا پٹھانوں سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ البتہ یہ بات دوسری ہے کہ سیاسی مصلحتوں نے سرکار انگریزی کو اس بات پر مائل کر دیا۔ کہ وہ اس علاقے کو صوبہ سرحد کے ساتھ ملحق کر دے۔ گو یہ ضلع سرحد کا ایک حصہ تھا۔ لیکن اس پر ہمیشہ پنجاب کی آب و ہوا کا زیادہ اثر ہوتا تھا۔ اور پنجاب کی سیاسیات سے یہاں کے لوگ زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں صوبہ سرحد کے باقی حصے آزادی کے خواہاں تھے۔ اور انہوں نے کانگرس کے سہ رنگے نشان کے نیچے مادر ہند کی آزادی کے لیے بے بہا قربانیاں دیں۔ وہاں ضلع ہزارہ کا سیاسی ریکارڈ نہایت برا تھا۔ سرحد میں یہ علاقہ رجعت پسندوں کا گڑھ تھا۔ چھوٹے چھوٹے نواب۔ راجے خان بہادر اور سرمایہ داروں نے یہاں کے عوام کو بری طرح کچل رکھا تھا۔ ایک آدھ بار

اس علاقہ کے عوام نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش بھی کی جس کے ثبوت میں واقفکار اصحاب کے سامنے اُن تجربات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جو ۳۹-۱۹۳۸ء میں سرحد کے سوشلسٹ رہنما مرحوم مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کی زیر قیادت شروع کی گئیں لیکن پھر یہ لوگ بدستور دبا دیئے گئے۔ اور اس علاقہ پر رجعت پسند نواب خان بہادر اور بڑے بڑے جاگیردار ہی چھائے رہے۔

برطانوی سامراج اور مسلم لیگ کے سرداروں نے جب صوبہ سرحد پر نگاہ کی۔ تو اپنے لئے سب سے مناسب حالات ضلع ہزارہ میں پائے۔ چنانچہ بہار کے فسادات کے متعلق جو غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ شروع کیا گیا اور صوبہ سرحد میں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنے کے لئے جو ڈرامہ شروع کرنے کا پروگرام مسلم لیگیوں نے مرتب کیا۔ اس کے پہلے سین کی ابتدا ضلع ہزارہ کے اُس علاقہ سے کی گئی۔ جو قبائل کے قریب واقعہ تھا چنانچہ اس علاقہ پر جو ملاچی گندہ اور کڈ خیل وغیرہ کے دیہاتوں پر مشتمل تھا۔ قبائلیوں سے حملے کرائے گئے۔ برطانوی سامراج کے پٹھو۔ پولیٹیکل ایجنٹ مسلم لیگ کی پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر پولیٹیکل ایجنٹوں کی طاقت اور روپیہ اس معاملے میں مسلم لیگ کی پشت پر نہ ہوتا۔ تو آج غالباً صوبہ سرحد کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اِن علاقوں میں بیگناہ ہندوؤں سکھوں پر ظلم و ستم کا دَور شروع ہو گیا۔ مسلم لیگ کے رہنما اور والنٹیر جو اپنے جلسوں اور جلوسوں میں یہ نعرے لگاتے تھے کہ بہار کا بدلہ سرحد میں لیں گے خون کا بدلہ خون سے لیں گے اس نعرے کو اب عملی صورت دی جانے لگی۔ تباہی اور بربادی کے دور کا آغاز ہو گیا۔ درندے قبائلیوں نے محض اس لئے ہندوؤں سکھوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ کہ اُن کا مذہبی نقطہ نگاہ وُہ نہیں جو مسلم لیگ والوں کا ہے۔ اس قتل و غارت میں کتنے ہی لوگ مارے گئے۔ بہت سی عورتوں کو اغوا کر لیا گیا اور کتنے ہی مکانوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔ کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ اُس تباہی کا آغاز ہے جس کا انجام اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہولناک اور تباہ کن ہو گا۔

اعلانِ جنگ

ضلع ہزارہ کے فسادات میں جن ہندو عورتوں کو اغوا کیا گیا اُن میں سے ایک کا نام بسنتی تھا۔ جسے اغوا کرنے کے بعد جبراً اسلام قبول کرایا گیا۔ اور کسی خونخوار قبائلی درندے سے بیاہ دیا گیا۔ جب اس کے ورثاء نے صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار وزیر اعظم ڈاکٹر خانصاحب سے فریاد کی۔ تو ڈاکٹر خانصاحب نے ان سے پوری پوری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا وعدہ کیا کہ اُسے ہر حال میں واپس لا کر وارثوں کے حوالے کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ڈاکٹر خان صاحب کی انتہائی کوششوں سے لڑکی واپس لائی گئی اور جب پشاور کے مسلمان سٹی مجسٹریٹ کے سامنے جس کا نام غالباً عبدالرشید خان تھا۔ لڑکی نے یہ بیان دیا کہ "مجھے جبری طور پر مسلمان بنایا گیا ہے۔ اور میں اپنے وارثوں کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں"۔ تو ڈاکٹر خان صاحب کے حکم سے لڑکی ورثا کے حوالے کر دی گئی۔ مسلم لیگ اور برطانوی سامراج کے ایجنٹ تو اس قسم کے موقعوں کی کھوج میں رہا کرتے تھے۔ یہ بات ناممکن تھی کہ وہ خاموش رہتے۔ چنانچہ اس موقعہ کو غنیمت خیال کیا گیا۔ اور اس لڑکی کے سوال کو لے کر خدائی خدمتگار وزارت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ انہیں دنوں پشاور کے ایک مقام چوک یادگار پر لیگیوں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں لڑکی کی واپسی کے سوال کو اُٹھایا گیا۔ اور اعلان کیا گیا۔ کہ اگر یہ لڑکی مسلم لیگیوں کے حوالے نہ کی گئی تو اسے حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ ہر قدم اُٹھانے کے لئے تیار ہے۔ درحقیقت مدعا تو صرف اتنا تھا کہ خدائی خدمتگاروں کا سیاسی اقتدار ختم کیا جائے اور کسی طرح صوبہ سرحد میں مسلم لیگ برسرِ اقتدار آ جائے اور ایسا کرنے کے لئے مسلم لیگیوں کو مذہب کے نام پر عوام کو بھڑکانا سب سے آسان ذریعہ نظر آتا تھا۔ چونکہ صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار

وزیر اعظم اس بے انصافی کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے لیگیوں نے یہ مہم شروع کر دی۔ اور خدائی خدمتگاروں کا غدار ارباب عبدالغفور خلیل جو ایک عرصہ سے سیاسی طور پر نمایاں پوزیشن حاصل کرنے کے لئے موقع کی تاک میں تھا۔ اس وقت آگے بڑھا اور اس مہم کا لیڈر بن بیٹھا۔ ارباب عبدالغفور نے اس جلسے میں ایک عجیب و غریب نوعیت کی تقریر کی اور مصائب زدہ بسلنی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لڑکی ایک عرصہ سے اسلام قبول کرنا چاہتی تھی خدا نے اس کے دل میں اسلام کا نور پیدا کر دیا ہے۔ اس لڑکی نے بیان دیا ہے کہ میں اسلام کی سچائی کی قائل ہوں۔ اور عرصہ سے موقع کی تلاش میں تھی۔ آج خدا نے مجھے موقع مہیا کر دیا ہے۔ اور میں اپنی مرضی سے اسلام قبول کر رہی ہوں"۔

حالانکہ حقیقت قطعی اس کے برعکس تھی۔ بیچاری بسلنی پر جو ظلم و ستم ہوئے اس کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی ڈپٹی کمشنر پشاور کے سامنے دیئے گئے بیانات پبلک کے سامنے رکھے گئے۔ بلکہ لوگوں کو یہی بتایا گیا کہ ڈاکٹر خان صاحب نے ایک مسلمان لڑکی کو کافروں کے حوالے کر دیا ہے۔

ہندوستان کی انٹریم گورنمنٹ نے اُن قبائل پر ۵۷ ہزار روپیہ جرمانہ کیا جنہوں نے ضلع ہزارہ میں اس تباہی کا آغاز کیا جس کے انجام کے طور پر سرحد کی بے کس اقلیتوں کو اپنا سب کچھ تیاگ کر ہند آنا پڑا۔ ارباب عبدالغفور اور اُن کے ساتھیوں نے اس کے لئے خدائی خدمتگار وزارت کو ذمہ دار گردانا۔ اور مطالبہ کیا کہ یہ رقم قبائل کو واپس کی جائے۔ اور اُن لوگوں کو بھی رہا کر دیا جائے جنہیں یرغمال کے طور پر رکھا گیا ہے۔ یہ سب باتیں تو ہند کی انٹریم گورنمنٹ کے حکم سے ہوئی تھیں لیکن لیگیوں نے اس کی ذمہ داری بھی سرحد کی وزارت پر ڈالی۔ اور اس طرح مطالبات کی ایک فہرست مرتب کر کے

ایک بھپرا ہوا ہجوم کو ساتھ لے کر لیگیوں نے ڈاکٹر خانصاحب کی کوٹھی پر دھاوا بول دیا۔

صوبہ سرحد کے جن لوگوں کو یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ لیگیوں نے اس موقع پر کس طرح غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر خانصاحب کے بنگلے کا سارا فرنیچر اور قیمتی سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس موقع پر بھی ڈاکٹر خانصاحب نے (حسب معمول) فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر خانصاحب کی یہ فراخ دلی اور وزارت کی نرم پالیسی ہی صوبہ سرحد میں لیگ کے طاقت حاصل کرنے کا باعث بنتی رہی۔ ڈاکٹر خانصاحب کی نرم اور نظر انداز کرنے کی پالیسی کا لیگیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور عوام میں یہ گمان پیدا کر دیا کہ اب ہمیں کوئی بھی پوچھنے والا نہیں چنانچہ تمام وہ غنڈے جواری اور دس نمبری بدمعاش جو کانگریس وزارت کے ہاتھوں اس لئے نالاں تھے کہ اس نے قماربازی بند کر دی تھی۔ لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ پولیس کے سرکردہ افسروں کی لیگیوں سے پہلے ہی سازباز تھی تاہم وزارت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ڈاکٹر خانصاحب کی کوٹھی پر دھاوے کے بعد لیگ کے چند سرکردہ آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا جن میں ارباب عبدالغفور یعنی خدائی خدمتگاروں کا غدار بھی شامل تھا۔

دوسری طرف مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر مسٹر عبدالقیوم نے جو سرحد کی تباہی اور بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ بہار کے واقعات کی آڑ لے کر مردان میں ہلڑبازی شروع کر دی۔ اور انہیں وہاں گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح کئی دوسرے لیگی بھی گرفتار کئے گئے۔ جنہیں رہا کرانے کے لئے مسماۃ نیتی کی واپسی اور دوسرے مطالبات پورے کرانے کے واسطے مسلم لیگ نے باقاعدہ ایجیٹیشن شروع کر دی اور جس کا رہنما مانکی کا ملّا بنایا گیا۔

مانکی کا مُلّا

مانکی کا مُلّا جسے مسلم لیگ والے پیر آف مانکی شریف کہہ کر یاد کرتے ہیں پٹھانوں
کے ایک طبقہ میں مذہبی طور پر کافی وقعت رکھنے کے باوجود سیاسی
طور پر ایک گمنام سا انسان تھا۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ سیاسی دنیا میں
مُلّا مانکی کے نام سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ تو یہ بات کوئی بیجا نہ ہوگی۔

مسلم لیگ اور سامراج کے ایجنٹوں نے صوبہ سرحد پر یلغار شروع
کرنے سے پہلے ایسے پیروں اور گدی نشینوں کا آسرا لینا نہایت ضروری
خیال کیا۔ کیونکہ ایک تو اپنے اپنے مذہبی حلقوں میں ان لوگوں کا کافی
اثر و رسوخ تھا۔ دوسرے مذہبیات کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے میں
یہ عام آدمیوں سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ
میں پیر آف مانکی۔ پیر آف زکوڑی (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) ، پیر آف تونسہ
نزد راولپنڈی پیر آف گولڑہ اور اسی طرح کے دوسرے پیروں اور
مولویوں کو میدان عمل میں لایا گیا۔ لیکن مانکی کا مُلّا اس دوڑ میں سب سے
آگے نکل گیا۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مانکی کے مُلّا کی
پیری مریدی کا سلسلہ آزاد قبائل اور اس کے قریبی علاقوں تیراہ مہمند
وغیرہ میں زیادہ ہے۔

اس زمانے میں سر جارج کننگھم کے بعد صوبہ سرحد کے گورنر سر اولف
کیرو مقرر کئے گئے۔ اولف کیرو خدائی خدمتگار تحریک کے پرانے "کرم فرماؤں"
میں سے تھے۔ سن ۱۹۳۰ء کی جنگ آزادی میں جب پشاور کے بازار قصہ
خوانی میں مادر وطن کے لئے شہادتیں دینے والے کانگرس کے سہ رنگے
نشان کے نیچے دیوانہ وار بڑھ بڑھ کر شہید ہوئے۔ تب بھی سر اولف کیرو

صوبہ سرحد میں موجود تھے۔ اور خدائی خدمتگار تحریک کو کچلنے کے لیئے
کوئی حربہ استعمال کرنے سے آپ نہ چوکے۔ اور اب موجودہ حالات میں
سر اولف کیرو کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کرنے کا مدعا اس کے سوا کوئی
دوسرا نہ تھا۔ کہ صوبہ سرحد پہ جبراً پاکستان ٹھونسنے کے لیئے آپ کے پرانے
تجربہ سے برطانوی سامراج فائدہ اٹھالے۔ چنانچہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات
نہیں۔ کہ سر اولف کیرو اعلانیہ مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے۔ خان بہادر
قلی خاں سابق پولیٹیکل ایجنٹ جو اپنی شاطرانہ چالوں کے لیئے صوبہ سرحد میں
خاص شہرت کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اس مہم میں سر اولف کیرو کا دست راست
تھا۔ اور خان بہادر موصوف کی کوششوں سے ہی پیر آف مانکی کو منظر
عام پہ لایا گیا۔ اس سلسلہ میں محکمہ تعلیم سرحد کے سابق ڈائرکٹر شاہ عالم
خان پیر آف مانکی اور کیرو پارٹی کے درمیان بات چیت کا ذریعہ بنے
ہوئے تھے۔ خدائی خدمتگاروں کے رہنما خان عبد الغفار خان اور اس وقت
کے صوبہ کے خدائی خدمتگار وزیر اعظم ڈاکٹر خانصاحب سر اولف کیرو کی
سازشوں کا بارہا پبلک جلسوں میں بھانڈا پھوڑ چکے ہیں۔ اور خود سر اولف کیرو
نے اپنے عہدہ سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے جو چٹھی ہند کے گورنر جنرل
کو لکھی تھی۔ اس میں بھی اس بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور صاف الفاظ میں کہا
گیا ہے کہ مجھ پہ ایک فریق کے ساتھ ساز باز کا الزام لگایا ہے۔ بہرحال
سر اولف کیرو اور خان بہادر قلی خان کی نوازشوں سے مانکی کی گدی کا گمنام
پیر ایک دم سرحدی سیاسیات کی دنیا میں بہت بڑے درجے پہ لا کر کھڑا
کر دیا گیا اور اسے یہاں تک طاقتور بنایا گیا کہ مسلم لیگ کے دوسرے رہنما
جن میں سرحد کا موجودہ وزیر اعظم بھی ہے۔ اس کی طاقت سے خوف کھانے
لگے اور اس بات کا انہیں بھی اندیشہ نظر آنے لگا۔ کہ اگر مانکی کا ملا اسی طرح
طاقت پکڑتا گیا۔ تو شاید ایک دن سیاسی طور پر یہ ہمارے لیئے نقصان

کا باعث نہ بن جائے۔ اس خدشہ سے مسلم لیگ میں دھڑے بندی شروع ہو گئی۔ اور بڑھتی چلی گئی۔ لیکن دوسری طرف مانکی کا ملا عوام میں زیادہ سے زیادہ ہردلعزیز ہوتا چلا گیا۔ ایسے حالات تھے جبکہ سرحد اسمبلی کے بجٹ سشن کے دن آپہنچے۔ مسلم لیگ نے جو ایجی ٹیشن اپنے لیڈروں کی رہائی کے لئے شروع کی تھی۔ وہ جاری تھی اور ہرروز دو چار آدمی خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے۔ ہندوؤں سکھوں میں خوف و ہراس بڑھتا جا رہا تھا۔ عوام میں اُن کے خلاف زیادہ سے زیادہ نفرت پھیلائی جا رہی تھی۔ کاروبار تقریباً بند تھے۔ اور ایک عجیب غنڈہ گردی کا دور شروع تھا۔

۱۰ مارچ ۱۹۴۷ء

ادھر سرحد اسمبلی کا بجٹ سشن آپہنچا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۷ء بجٹ سشن کا پہلا دن تھا۔ اس سے ایک دن اوّل مسلم لیگیوں نے پشاور میں ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ خوف زدہ ہندوؤں اور سکھوں کو مجبوراً اپنا کاروبار بند کرنا پڑا۔ آج صبح سے ہی شہر میں حالت بگڑی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ امن و امان کی تباہی کے لئے جو چنگاری مسلم لیگ والے پھینک چکے ہیں۔ آج وہ شعلے کی صورت اختیار کر کے ہی رہے گی۔ اسمبلی ہال کو جانے والی سڑک پر کڑا پہرہ تھا۔ لیکن چارسدہ روڈ کو جو اسمبلی ہال سے ایک فرلانگ کے راستے سے گزرتی ہے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ غالباً ایسا کرنے میں مقامی افسروں کا خاص منشا تھا۔ چنانچہ اس سڑک سے مسلم لیگ والے ریلوے لائن پر آ گئے اور لائن پر چلتے ہوئے عین اسمبلی ہال کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ ریلوے لائن اسمبلی ہال سے چند گز کے فاصلے پر ہے گویا اب مسلم لیگئے اسمبلی ہال سے چند گز کے فاصلے پر آ گئے۔ اور یہاں جمع ہو کر مختلف نعرے لگانے لگے۔

ہال کے اندر اسمبلی کا اجلاس صرف چند منٹ تک جاری رہا۔ اپوزیشن
کے کچھ ممبر تو جیل میں تھے۔ اور باقی ممبروں نے اجلاس میں شمولیت اختیار نہ کی۔
کانگرسی ایم۔ ایل۔ اے۔ وزراء اخباری نمائندے اور چند ایک دوسرے
آدمی جو اجلاس میں شامل تھے۔ اجلاس کے خاتمے کے بعد چلے گئے۔ لیکن
ریلوے لائن پر مسلم لیگیوں نے جو ہجوم جمع کر رکھا تھا۔ وہ بدستور اپنی جگہ
پر ڈٹا رہا۔ مختلف نعرے لگائے جاتے رہے۔ جن کے ذریعہ خاص طور پر
عوام کو ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف بھڑکانا مقصود تھا۔

قلعہ بالا حصار جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں اُن کے بہادر
جرنیل سردار ہری سنگھ نلوہ نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے قریبی ریلوے پُل پر ایک
طرف تو فوجی پہرہ تھا۔ اور دوسری جانب مسلم لیگ کے بھڑکائے ہوئے لوگ
صف آرا تھے۔ جو ہر قیمت پر آج امن و امان کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے
تھے۔ اور مختلف نعروں کے ذریعے عوام کو قانون کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں
لینے پر آمادہ کر رہے تھے۔ اتنے میں پشاور چھاؤنی ریلوے سٹیشن سے پنجاب
کی جانب جانے والی فرانٹیئر میل آ پہنچی۔ لیکن اشتعال میں آئے ہوئے لوگ
ریلوے لائن پر کھڑے نعرے لگا رہے تھے۔ اور کسی طور پر بھی لائن خالی کرنے
کے لئے تیار نہ تھے۔ فوجی حکام نے بار بار سمجھایا۔ اور کہا کہ اب اسمبلی کا اجلاس
ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ لوگ واپس چلے جائیں۔ لیکن مسلم لیگ والے تو
آج خاص پروگرام کے مطابق آئے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے نہ صرف ریلوے
لائن خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ پہرہ دینے والے فوجیوں پر پتھراؤ بھی
شروع کر دیا۔ جس سے چند ایک سپاہی مجروح ہوئے۔ چنانچہ فوج مجبور ہو گئی۔ اور
اُس نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے ہوائی فائر کئے۔ نتیجہ کے طور پر دو تین لیگی
مجروح ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ لیگیوں نے جو پورے کیل کانٹے سے لیس تھے۔
اور ہر طرح سے مسلح تھے۔ اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور ایک دم کچہری دروازہ

کے راستے شہر پر دھاوا بول دیا۔ اب راستے میں جو بھی بے گناہ ہندو یا سکھ ملا
اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ چنانچہ اس دن کتنے ہی بے گناہ ہندو اور
سکھ محض اس لئے قتل کر دیئے گئے۔ کہ خدا نے اُنہیں اس گھرانے میں پیدا
کیا جو مسلم لیگ والوں کے مذہب سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس دن کانگرس
کے انتھک سیوک اور پراونشل کانگرس کے سابق خزانچی لالہ گنپت رائے کھنہ
بھی قتل کر دیئے گئے۔ اسی طرح کئی دوسرے آدمی قتل ہوئے۔ پولیس تماشا
دیکھتی رہی اور لوگ قتل ہوتے رہے کئی حالتوں میں تو پولیس کے افسروں
نے بھی جو خدائی خدمتگار وزارت کے خلاف تھے حملہ آوروں کو اُکسایا
اور صاف طور پر کہا۔ کہ تم بے شک ہندوؤں کو مارو۔ لوٹو۔ ہم لوگ تمہیں
گرفتار نہیں کرینگے۔ چنانچہ اس دن مسلم لیگ کی وہ کوششیں جو ہندو سکھوں
کو تباہ کرنے کے لئے جاری تھیں رنگ لائیں۔ تباہی اور بربادی کا
پورا پورا دور شروع ہو گیا۔ بیکس اور کمزور ہندو سکھ گھروں میں محصور ہو گئے۔
گلی کوچوں کے دروازے بند کر لئے گئے۔ یا یوں کہیئے۔ کہ اُنہیں اپنے خرچ
پر مجبوراً نظربندی قبول کرنی پڑی۔

یہ تو حالت رہی پشاور شہر میں۔ چھاؤنی میں بھی اسی طرح غنڈہ گردی کا دور
دورہ تھا۔ اسی طرح لوٹ مار ہوئی۔ اور اسی طرح کتنے ہی بے گناہ لوگ
محض اس جرم میں قتل کر دیئے گئے۔ کہ وہ مسلمان نہیں۔ بلکہ ہندو یا سکھ ہیں۔
اس دن ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ جبکہ صوبہ سرحد کے قوم پرست مسلمانوں
اور خدائی خدمتگاروں نے خطرات میں گھرے ہوئے کئی ہندوؤں اور سکھ
نوجوانوں کو بچایا۔ انہیں اپنی ذمہ داری پر گھروں میں پہنچایا گیا۔ احسان نا
شناسی ہوگی اگر اس کے لئے ہندوؤں سکھوں کی طرف سے خدائی خدمتگا
تحریک کے جنم داتا خان عبدالغفار خاں کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ جن کے
مجاہد خدائی خدمتگاروں نے بہت سی قیمتی زندگیوں کی حفاظت کرنے

ہوئے اس تحریک کے نیک نام کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔

آگ پھیل گئی

دس مارچ ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد کی راجدھانی میں جو آگ مسلم لیگیوں نے لگائی۔ اُس کے شعلے قریب کے دیہات میں بھی پھیل گئے۔ مانکی کا مُلا اِس بدامنی کو پھیلانے اور ہندوؤں سکھوں کے خلاف مسلم عوام کو بھڑکانے میں اپنی پوری طاقتوں سے کام لینے لگا۔ برطانوی سامراج کے ایجنٹ مانکی کے مُلا کی ریڑھ کی ہڈی بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن دیہات میں بدامنی شروع ہوگئی۔ اور اس کا سب سے زیادہ اثر تپہ مہمند۔ تپہ غلبل اور ان علاقوں کے قریبی دیہات میں ہوا۔ واضح رہے کہ یہی وہ علاقے ہیں۔ جہاں مانکی کے مُلا کی پیری مریدی کا سلسلہ عام ہے ملاکنڈ ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ شیخ محبوب علی خاں جو پنڈت جواہر لال نہرو پہ قبائلی حملوں کی سازشیوں میں شریک ہونے کے الزام میں اپنے عہدے سے معطل کردیئے گئے تھے۔ اور ان دنوں اپنے گاؤں موضع شیخاں میں رہائش پذیر تھے۔ وہ بھلا اس کارِ خیر میں کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے۔ چنانچہ شیخ محبوب علی نے اپنے گاؤں میں رہنے والے ہندوؤں اور سکھوں پہ ظلم وستم کا دور شروع کردیا۔ اور اُن کے سامنے دو شرطیں رکھیں۔ یا تو مسلمان ہوجاؤ اور یا مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ غریب بیکس اور خطرات میں گھرے ہوئے کتنے ہی ہندوؤں اور سکھوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔ اسی طرح موضع منکال کا خان بہادر ارباب شیر علی خاں جو برطانوی سامراج کا پُرانا پروردہ تھا ظلم وستم پہ آمادہ ہوگیا۔ اور اُس کے گاؤں میں بھی ہندوؤں اور سکھوں کو تودۂ تیر ستم

بنایا گیا۔

گویا دس مارچ کو ظلم و ستم کا پورا پورا دور شروع ہو گیا۔ شہر کے ہندو اور سکھ محلوں میں بند تھے۔ اور ان کے لئے گھروں سے باہر نکلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اور کئی حالتوں میں محلوں سے باہر نکلنے پر لوگوں پر حملے بھی ہوئے۔ اور انہیں یا تو قتل کر دیا گیا۔ اور یا وہ بُری طرح مجروح ہوئے۔

دوسری طرف دیہاتوں میں ہندوؤں اور سکھوں کو زبردستی مسلمان بنانے کی مہم جاری تھی۔ ہر گاؤں کا چھوٹا بڑا خان جو برطانوی سامراج کا کسی نہ کسی صورت میں ممنون احسان تھا۔ اس کام میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کر رہا تھا۔ شہر اور چھاؤنی میں مسلم لیگیوں کی ایجی ٹیشن یعنی نام نہاد سول نافرمانی جو درحقیقت ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف "قتل و غارت کی تحریک تھی جاری تھی۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ اس تحریک کے ذریعہ مسلم لیگ والے ہر روز بدامنی اور بے چینی کو نیا انجکشن دے کر بھڑکتی ہوئی آگ کو اور تیز کرنے کی کوشش کرتے تھے یہ حالات تھے جن کا اس وقت صوبہ کی خدائی خدمتگار وزارت کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ وزارت نے سب سے پہلے اپنی توجہ دیہات میں محصور ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنے کی طرف مبذول کی۔ ہر دیہات سے خطرات میں گھرے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو پشاور چھاؤنی میں لایا گیا۔ بہت سے ایسے لوگ بھی لائے گئے جنہیں زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

پشاور چھاؤنی میں سلوان سناتن دھرم ہائی سکول۔ سناتن دھرم گرل سکول۔ سلوان بلڈنگ۔ آریہ سماج مندر۔ گوردوارہ سنگھ سبھا اور کرمچند ہال میں ریفیوجی کیمپ کھولے گئے۔ جن میں دیہات سے آئے ہوئے مظلوم ہندوؤں اور سکھوں کو پناہ دی گئی۔ پنڈت گردھاری لال

ساوان نے اس موقع پر بڑی لگن سے ہندوؤں اور سکھوں کی سہائتا کا کام کیا۔ دن رات کی انتھک سیوا سے جہاں پنڈت جی موصوف ہندوؤں اور سکھوں میں ہر دلعزیز ہوتے گئے۔ وہاں مسلم لیگیوں کی نظروں میں آپ خار کی طرح کھٹکنے لگے اور لیگ کے پروردہ آپ کی جان کے لاگو ہو گئے۔

خدائی خدمتگار وزارت نے اس موقع پر پوری ہمت سے کام لیا۔ اور باوجود اس امر کے حکومت کی ساری مشینری وزارت کے خلاف تھی۔ ڈاکٹر خان صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے دیہاتوں میں گھرے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنے کا کام پوری شدومد سے کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف دیہاتوں سے ہندو اور سکھ جہاں پوری طور پر خطرہ تھا۔ نکال کر پشاور چھاؤنی کے اُن کیمپوں میں ٹھہرائے گئے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

خدائی خدمتگار میدان عمل میں

ادھر دیہاتوں کے ہندوؤں اور سکھوں کو نکال کر پشاور چھاؤنی میں لانے کا کام شروع تھا۔ اُدھر پشاور شہر کے ہندو سکھ بد ستور محلوں میں بند تھے۔ مسلم لیگ کی نام نہاد شہری آزادی کی تحریک بھی جاری تھی۔ ہر روز جلوس نکالے جاتے جلسے کئے جاتے جن کے ذریعہ مجبور اور گھرے ہوئے ہندوؤں سکھوں کے خلاف مسلم عوام کو بھڑکایا جاتا۔ پولیس کے سبھی افسر کیا چھوٹے کیا بڑے درحقیقت لیگیوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ اور چونکہ لیگیوں کا پروپیگنڈہ مذہب کے آدھار پر ہوتا تھا اس لئے قدرتی طور پر پولیس کی جو سب کی سب مسلمان تھی ہمدردی لیگ کے ساتھ تھی۔ کانگریس اور خدائی خدمتگاروں کو تو ہندوؤں کی جماعت کہا جاتا۔ مسلم لیگ والوں نے ڈاکٹر خانصاحب کا نام خان چند رکھا ہوا تھا۔ اور اسی طرح خدائی خدمتگار تحریک کے رہنما خان عبدالغفار خاں کو کفار خاں پکارا جاتا۔ اور مجموعی طور پر وزارت کو کھنہ وزارت کہہ کر لالہ مہر چند کھنہ کے نام سے منسوب کیا جاتا۔ گویا لیگ والے ہندو مسلم سوال پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہ چھوڑتے۔ کہیں اشتہاروں میں خان عبدالغفار خاں کو مورتی پوجا کرتے ہوئے دکھایا جاتا۔ کہیں مہاتما گاندھی کے ساتھ پرارتھنا سبھا کے فوٹو شائع کر کے یہ ظاہر کیا جاتا کہ خان عبدالغفار خاں ہندو ہو گئے ہیں اور ہندوؤں کے ساتھ انہیں کے طریقوں سے عبادت کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ وزارت کی خواہش ہونے پر بھی امن وامان کس طرح قائم ہو سکتا تھا۔ جبکہ خود پولیس جس پر امن وامان کی بحالی اور قانون کی شان کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری

عائد ہوتی ہے۔ اپنے فرائض سے نہ صرف پہلو تہی کرے۔ بلکہ اُن کے قطعی برعکس
سرگرم عمل ہو۔ دوسری جانب اُس وقت کے گورنر سر اولف کیرو اپنی شاطرانہ
چالوں میں بدستور لگے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں امن قائم بھی ہو تو کس طرح؟

انہی دنوں خدائی خدمتگار تحریک کے رہنما خان عبدالغفار خان بہار
کے مسلمانوں کی امداد کے لیے بہار گئے ہوئے تھے۔ غالباً جب اُنہیں ان حالات
کا علم ہوا تو اُنہوں نے خدائی خدمتگاروں کو پشاور کے ہندوؤں اور سکھوں
کی حفاظت کے لیے کام کرنے کا مشورہ دیا۔ اور غالباً یہ ذکر ۱۲ مارچ
۱۹۴۷ء کا ہے جبکہ یکایک دوپہر کے بعد ہندوؤں اور سکھوں کے تمام
محلوں اور بازاروں میں سینکڑوں باوردی خدائی خدمتگار قدم قدم پر کھڑے
ہو گئے۔ اور اُنہوں نے ہندوؤں سکھوں کو محلوں کے دروازے کھولنے اور
باہر آنے جانے کی دعوت دی اور اس کے ساتھ ہی اُن کی سلامتی کی ذمہ داری
بھی لے لی۔ چنانچہ آن کی آن میں سارے شہر کے ہندو اور سکھ بازاروں میں
آنے جانے لگے محلوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ سارے شہر میں
ہزاروں کی تعداد میں خدائی خدمتگار بازاروں میں وردیہ قطاروں کی صورت
میں کھڑے تھے نیشنل ہائی سکول۔ خالصہ ہائی سکول۔ اسلامیہ ہائی سکول اور
گورنمنٹ ہائی سکول کی عمارتوں کے علاوہ دیگر چند ایک مقامات پر بھی خدائی خدمتگاروں
کے کیمپ لگائے گئے تھے۔ خدائی خدمتگاروں کے علاوہ سفید کپڑوں میں سینکڑوں قوم پرست پٹھان
بازاروں میں دیکھ بھال کیلیے گشت کرتے تھے۔ اور کتنے ہی مقاموں پر
اُنہوں نے ہندو سکھوں کو لیگیوں کے ظلم و ستم سے بچایا بھی۔

وہ بدامنی اور لاقانونی جسے پولیس کی مسلح طاقت شاندار تنظیم دُور نہ کر سکی
تھی خدائی خدمتگاروں نے چند گھنٹوں میں دُور کر کے بتا دیا۔ اور اس طرح جہاں
سرحد پولیس کے ماتھے پر بدنما اور کبھی نہ مٹنے والا دھبہ لگا دیا وہاں یہ بات بھی ثابت
ہو گئی کہ پولیس خود ہی امن و امان قائم کرنے کی خواہاں نہ تھی۔ ورنہ کوئی وجہ

نظر نہیں آتی۔ کہ ہزاروں کی تعداد میں مسلح پولیس جس کے ذرائع نہایت وسیع تھے۔ ڈسپلن نہایت اعلیٰ تھا۔ حالات پر قابو نہ پا سکے لیکن خدائی خدمتگار والنٹیئر آ کر چند گھنٹوں میں حالات سدھار کر رکھ دیتے۔

اس کے دوسرے دن ہی لوگوں نے دکانیں کھول کر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ دکانوں کے سامنے بھی خدائی خدمتگار والنٹیئر پہرہ دیا کرتے اور محلوں کے سامنے بھی۔ ان والنٹیئروں کی کمان خدائی خدمتگاروں کے سالار اعظم خان امین جان کے ہاتھوں میں تھی۔ ڈاکٹر خان صاحب کے فرزند خان عبید اللہ خان بھی اسی کام میں رات دن ایک کر رہے تھے۔ اور آپ نے بھی بحالی امن کے لیے اپنا ہیڈ کوارٹر پشاور شہر میں بنا لیا تھا۔

ہجرت شروع ہو گئی

اب جبکہ بازاروں میں ہندوؤں کی آمد و رفت بدستور جاری ہو گئی۔ لوگوں نے کاروبار بھی شروع کر دیئے۔ اور ایک بار پھر بازاروں میں پہلے سی چہل پہل نظر آنے لگی۔ تو یہ بات برطانوی سامراج کے ایجنٹوں کو بہت ناگوار گذری اور پولیس نے بھی بہت برا منایا۔ کیونکہ اخباروں میں اس بات کے عام چرچے ہونے سے پولیس کی بدنامی ہونے لگی اور یہ بات صاف ہو گئی کہ امن و امان کی قائمی پولیس کی منشا کے خلاف تھی۔ ورنہ کیا بات ہے کہ جب نہتے خدائی خدمتگار تو آن کی آن میں بگڑے ہوئے حالات کو سدھار دیں اور پولیس مسلسل کئی دنوں کی کوششوں کے باوجود بھی امن و امان قائم نہ کر سکے۔ اور نہ ہی لوگوں میں بھروسہ اور اعتماد پیدا ہو سکا۔ چنانچہ اندر ہی اندر پولیس اور لیگیوں نے ہندو سکھوں کو ہراساں کرنے کی مہم جاری کر دی۔ جہاں کہیں کسی ہندو یا سکھ کو اکیلے دکیلے دیکھتے۔ یہی کہتے اچھا

اب تو تمہیں ان" لال ٹماٹروں نے" (سرخ پوشوں کی طرف اشارہ ہے) بچا لیا۔ ذرا انہیں جانے دو پھر دیکھیں گے۔ پولیس عوام میں یہ خیال پھیلانے میں لیگیوں سے بھی چند قدم آگے تھے۔ اور عام طور پر یہ کہا جانے لگا کہ جونہی سرخ پوش گئے۔ پھر بد امنی ہو گی۔ لیگ والوں کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اور سکھ بد دل ہو گئے۔ اور بہت سے لوگوں نے عارضی طور پر ہجرت کر جانے کو ہی مناسب خیال کیا۔ چنانچہ لوگ پشاور سے باہر جانے شروع ہو گئے زیادہ لوگ ہردوار۔ ڈیرہ دون۔ جموں اور اسی طرح کے دوسرے مقامات کو چلے گئے لیکن اس کے باوجود اُن لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جو بدستور اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور انہوں نے باہر جانے سے اپنے گھر میں رہنے کو ہر حال میں ترجیح دی۔

اس اثنا میں بھی مسلم لیگ کی تحریک جاری تھی۔ ہر روز جلوس نکالا جاتا اور چند ایک لیگی جن میں زیادہ تر خان خوانین کے نوکر ہوتے۔ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے لیکن آئے دن کی بدامنی کاروبار کی بندش۔ وغیرہ نے عام مسلمانوں کو بھی اس تحریک سے بدظن سا کر دیا تھا۔ اور تحریک میں جان باقی نہ تھی۔ غیر موزوں نہ ہوگا۔ اگر اس جگہ اس سلوک کا ذکر کر دیا جائے جو جیل میں لیگیوں کے ساتھ ہو رہا تھا جیسا کہ میں اس سے پہلے بارہا عرض کر چکا ہوں کہ خدائی خدمتگار وزارت کو ختم کرنے کے لئے ایک گہری سازش طے پا چکی تھی۔ اور اس میں حکومت کی ساری مشینری سرگرمی سے حصہ لے رہی تھی۔ چنانچہ جیل کے حکام بھی اس سازش میں برابر کے شریک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہی جیل خانہ جو کانگریس تحریک کے زمانے میں قوم پرستوں کیلئے جہنم ہوا کرتا تھا۔ لیگیوں کے لئے کلب۔ ریسٹورنٹ اور سپورٹل کے برابر تھا۔ جیل کے اندر۔ لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں کو ہر ایک سہولیت حاصل

تھی۔ خدائی خدمتگار وزارت کے نیاضانہ برتاؤ کی وجہ سے اور کچھ جیل کے حکام کی لیگ میں دلچسپی لینے کے باعث جیل میں لیگ کے قیدیوں کو وہ کھانا ملتا تھا۔ جو بہت سے لیگیوں کے گھروں میں تیار کردہ کھانے سے بدرجہا بہتر ہوتا۔ اور سب سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں پر جیل کے حکام کی نوازشات اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ قیدی چاہے تو جیل میں رہے۔ اور اگر اس کی طبیعت پسند کرے تو رات آرام سے اپنے مکان میں بسر کر آئے اس کے علاوہ لیگ کے سرکردہ رہنماؤں کے باہمی مشورے بھی جیل میں ہی ہوتے تھے۔ اور کسی کے آنے یا جانے میں جیل کے افسران مداخلت نہ کرتے۔ بلکہ جہاں تک ہوتا اُن کے آرام اور آسائش کا خیال رکھتے۔ اس ایک محکمہ کی حالت سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگار وزارت کو اس وقت کس قدر مشکلات کا سامنا ہوگا۔ حکومت کی ساری مشینری وزارت کے خلاف تھی۔ اور مسلم لیگ کو برسر اقتدار لانے کیلئے معمولی چپڑاسی سے لے کر بڑے سے بڑا افسر رات دن کوشاں تھا۔

عبوری عرصہ

دس مارچ ۱۹۴۷ء سے ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کو قائمی پاکستان کا عبوری عرصہ کہا جا سکتا ہے۔ گو ۳ جون ۱۹۴۷ء کے برطانوی پلان کے اعلان تک مسلم لیگ کی نام نہاد تحریک سول نافرمانی جاری تھی لیکن اس کی حالت ایک ایسے مریض کی طرح تھی جو حالت نزاع میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔۔

آئے دن کی ہڑتالوں سے بیوپاری مسلم حلقہ بھی لیگ کی تحریک کے ہاتھوں نالاں تھا۔ دوسری طرف لیگ کے بڑے بڑے لیڈر! درمانگی کا گلہ جو

اس تحریک کی اصل طاقت سمجھا جاتا تھا۔ گرفتار کر لیا گیا تھا۔
مُلّا ناکی کی گرفتاری سے پہلے اس امر کا بہت خدشہ تھا۔ کہ یہ گرفتاری
شائد کسی بڑے بھاری طوفان کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ لیکن اس گرفتاری
سے بھی کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ بلکہ عام طور پر حالات سدھرتے
ہوئے معلوم ہونے لگے۔

ادھر اس سے پہلے اپریل ۱۹۴۷ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے اندر
لیگیوں نے آگ اور خون کا ہولناک کھیل کھیلا۔ اس کے لئے بھی وہی
پرانا اور آزمودہ نسخہ استعمال کیا گیا۔ جب پشاور میں مسلم لیگ تحریک شروع
کی گئی۔ تو دوسرے اضلاع کے لیگیوں نے بھی اپنے اپنے علاقوں میں اس
تحریک کے سلسلہ میں سرگرمیاں شروع کر دیں۔ تحریک کو چلانے کے لئے
پنجاب سے بہت سے مسلم لیگی جو آگ لگانے پروپیگنڈہ کرنے اور لوگوں کو
فساد پر مائل کرنے کے فن میں ماہر تھے صوبہ کے کونے کونے میں پہنچ گئے۔ مسلم
لیگ کے یہ ورکر بازاروں میں سرحدی مسلمانوں کو کانچ کی چوڑیاں پہننے کو پیش
کرتے اور کہتے کہ ہم نے تو خضر حیات کی وزارت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا
ہے لیکن تم سرحدی مسلمان تو بالکل عورتوں کی سی خو بو رکھتے ہو۔ اگر
ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ تو یہ چوڑیاں پہن لو۔ اور
گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ ایسے ہی ایجی ٹیٹر ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں بھی موجود
تھے۔ برطانوی سامراج نے یہاں پہلے سے ایک سرکردہ مُلّا کی خدمات
حاصل کر رکھی تھیں۔ میرا اشارہ مُلّا آف زکوڑی کی طرف ہے۔ جن کی مالی پوزیشن
کے متعلق ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے ایک مسلم اخبار نے جس کا ایڈیٹر پہلے ڈسٹرکٹ مسلم
لیگ کا صدر رہا تھا۔ لکھا تھا۔

کل تک تو مُلّا زکوڑی کو سواری کے لئے گدھی بھی میسر نہ تھی۔
لیکن آج یہ موٹروں میں اڑا پھرتا ہے اور لاکھوں روپے اس

نے جمع کر لئے ہیں"

بعد ازاں برطانوی سامراج کی سفارش سے یہ ملا سرحد اسمبلی کا ممبر بھی بن گیا۔ اس کے ساتھ نواب آف ٹانک کی طاقت تھی۔ یہ نواب سرحد اسمبلی میں مسلم لیگ کا ڈپٹی لیڈر رہے اور ڈیرہ کے فساد میں اس نواب نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ علاوہ ازیں قبائلیوں کو جو عام طور پر ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں خرید و فروخت کرنے اور موسم سرما بسر کرنے کے لئے آتے ہیں اسلام اور مذہب کے نام پر آمادۂ فساد کر لیا گیا۔ اور انہیں کہا گیا کہ لوٹ کا سارا مال تمہارا ہے۔ اور تمہیں کوئی بھی پوچھنے والا نہیں۔ چونکہ پنجاب کے مسلم لیگی بھی بیشتر وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس لئے قتل و غارت کے علاوہ مندروں کے علاقوں کو نذر آتش کرنے کا پروگرام بھی خاص طور پر مرتب کیا گیا اور اس پر بڑی باقاعدگی سے عمل بھی کیا گیا۔

ڈیرہ کے ہندو۔ سکھ بیکس اور مجبور تھے۔ اور یہاں بھی محاصرے میں آجانے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔ تاہم انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق مقابلہ بھی کیا۔ حسب معمول پولیس اور دیگر سرکاری افسر یہاں بھی سازش میں شریک تھے۔ اور سارے پروگرام انہیں کے اشاروں پر بنائے جاتے تھے۔ اس لئے ہندوؤں اور سکھوں کو بہت بھاری جانی اور اور مالی نقصان [illegible] بھی اٹھانا پڑا۔ چوگلہ ایک موضع کا نام ہے۔ جو خاص طور پر ایسے فسادات [illegible] پانے کے لئے عین ڈیرہ اسمٰعیل خاں شہر کی چھاتی پر بنایا گیا ہے [illegible] بھاٹیہ بازار میں جو بڑا تجارتی بازار ہے۔ آگ لگائی گئی۔ لیکن [illegible] مسلم بازار کی طرف [illegible] کی وجہ سے آگ بھاٹیہ بازار میں زیادہ پھیلنے [illegible] مسلم بازار [illegible] اور اس طرح مسلمانوں کو بھی کافی جانی [illegible] نقصان اٹھانا پڑا۔ [illegible] گودام جہاں ہزاروں روپیہ کی چیزیں پڑی [illegible] جلا کر خاک کر دیا گیا۔ [illegible] ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا کمرس

کے صدر لالہ بھگوان داس دھوا نے بے مثال بہادری سے کام لیا اور بارہا ہندوؤں سکھوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی ۔

جیسے ہی ڈاکٹر خان صاحب کو مینادر میں ان واقعات کی اطلاع ملی آپ بذریعہ ہوائی جہاز ڈیرہ پہنچ گئے۔ گو آپ کے جانے سے حالات بہت حد تک سدھر گئے۔ لیکن برطانوی سامراج اور سرکاری افسروں نے جو سازش کر رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں بھی خوف و ہراس پھیل گیا اور بیچارے ہندو سکھ اپنی لاکھوں روپے کی جائیدادوں، کاروبار اور ساز و سامان کو چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے دیہاتی علاقہ کے لوگوں کو بھی اسی طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑے جس طرح ۲۲ مارچ کے بعد پشاور کے قریبی دیہاتوں کے ہندو سکھ برداشت کر چکے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی دیہات کے لوگوں کی امداد کے لئے کیمپ کھولے گئے اور شہر کے ہندو اور سکھ نکل کر جانے لگے۔ لیکن اس کے بعد آہستہ آہستہ پھر یہاں بھی حالات نارمل ہو گئے اور لوگ جوں توں کر کے اپنے کاروبار میں مشغول ہونے شروع ہو گئے ۔

۳ جون کا پلان

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے پلان سے پہلے جس کی بدولت اس عظیم الشان ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ صوبہ سرحد کی کیا حالت تھی۔ یہ بات پچھلے صفحات میں اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے۔ گو اس وقت صوبہ سرحد کے کئی ایک مقامات پر مسلم لیگ کی تحریک جاری تھی۔ تاہم مجموعی طور پر صوبہ سرحد میں امن قائم ہو گیا تھا۔ اور مارچ کے آخری دنوں میں جن لوگوں نے صوبہ سے ہجرت کی تھی۔ وہ بھی آہستہ آہستہ واپس آنے لگ گئے تھے۔ لیگ کی تحریک اب صرف برائے نام جاری تھی۔ وہ جوش وہ ولولے اور وہ ہنگامہ آرائیاں اب ختم ہو چکی تھیں۔ صرف دن میں ایک بار جلوس نکالا جاتا اور دو چار آدمی خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیتے۔ اس کے بعد دن بھر حسب معمول لوگ اپنے اپنے کام و مصروفیات میں مصروف رہتے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ مسلم لیگ کلی طور پر شکست کھانے کے باوجود بھی ایک طرح سے رسم پوری کر رہی تھی۔ یہ حالات تھے۔ [illegible] ماؤنٹ بیٹن کے ۳ جون کے پلان کا اعلان ہوا اور صوبہ سرحد کے [illegible] تعجب اور افسوس کے ساتھ یہ سنا کہ جہاں پنجاب اور [illegible] تقسیم کے متعلق فیصلہ کرنے کے اختیارات ہر دو صوبوں کی [illegible] گئے ہیں۔ وہاں صوبہ سرحد پر زبردستی پاکستان ٹھونسنے کی غرض سے [illegible] صوبوں کو یہ اختیارات نہیں دیئے گئے۔ بلکہ پاکستان اور ہندوستان میں شمولیت کے سوال پر یہاں مستقیماً رائے یعنی "ریفرینڈم" کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جو لوگ سرحد اسمبلی کی اس وقت کی پوزیشن سے واقف ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ چالاک برطانوی سامراج اس امر سے پوری طرح واقف تھا کہ اگر پنجاب اور بنگال کی طرح کسی ایک ڈومینین میں شمولیت کا فیصلہ کرنے کے اختیارات سرحد میں بھی اسمبلی کے ممبران کو

دیئے گئے تو اس مظاہرہ میں ڈگری پاکستان کے خلاف ہو جائے گی۔ اسمبلی کے اندر لیگ کی طاقت نفی کے برابر تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اس میلان میں سرحد سے خاص امتیازی سلوک کیا گیا اور سیاسیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ وہ کونسی مجبوریاں تھیں جن کے پیش نظر سرحد کے معاملہ میں یہ خاص امتیازی رویہ اختیار کیا گیا کیا یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور سرحد کا فیصلہ پاکستان میں شمولیت کے خلاف ہوتا۔ تو برطانوی سامراج اور مسلم لیگ کے نیتاؤں کا پاکستانی سپنا پورا نہ ہو سکتا تھا۔ بہرحال دنیا کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کے لیے صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان اور ہندوستان میں شمولیت کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار دیدیا گیا اور ۳ جون کی شام کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے صوبہ سرحد کے لیگیوں کو ہدایت کی کہ وہ سول نافرمانی کی تحریک بند کر دیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد نام نہاد تحریک سول نافرمانی جس کے قالب سے روح تو پہلے ہی پرواز کر چکی تھی۔ اب اس کے جنازے کو دفنا دیا گیا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی سرحد کی خدائی خدمتگار وزارت نے لیگیوں کو جیلوں کے دروازے وا کر دیئے۔ سب کے سب سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان ہو گیا۔ صرف وہی لوگ قید میں رہے۔ جنہوں نے ڈاکٹر خانصاحب وزیر اعظم صوبہ سرحد کی کوٹھی پر دھاوا بولا تھا۔ رہائی کے بعد لیگیوں نے فوراً ریفرنڈم کے لیے سرگرمیاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف خدائی خدمتگار رہنماؤں نے پشاور اور بنوں میں میٹنگیں منعقد کرنے کے بعد آزاد پٹھانستان کا اعلان کیا اور فیصلہ کیا۔ کہ پاکستان کے سوال پر ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم پاکستان اور پٹھانستان کے اشو پر لڑا جائے۔ لیکن اس چیز کو برطانوی سامراج نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اگر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا۔ تب یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ صوبہ سرحد کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوتا۔

آزاد پٹھانستان ڈے

خدائی خدمتگاروں نے آزاد پٹھانستان کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۱۲ جولائی ۱۹۴۸ء کو صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور میں آزاد پٹھانستان ڈے منانے کا فیصلہ کیا۔ جن لوگوں کو پشاور میں یہ دن دیکھنے کا موقعہ ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ سرحد کی تاریخ میں اس قدر عظیم الشان اور اس قدر طویل جلوس نہ کبھی نکلا ہے اور غالباً نہ کبھی پھر ایسا شاندار جلوس نکلنے کا امکان ہو سکتا ہے۔

اس جلوس میں جوان غیور پٹھانوں نے نکالا۔ جنہوں نے آزادی کی جدوجہد کے لئے ہر ممکن قربانیاں دیں اور جن کے ساتھ تقسیم ہند کا اصول مان کر بھاری غداری اور دھوکا اس گھاٹ کیا گیا۔ اس جلوس میں پچاس ہزار سے زاید باوردی خدائی خدمتگاروں نے شمولیت کی۔ ہزاروں کی تعداد میں نئے پختون جماعت کے نوجوان بھی تھے۔ یہ جماعت تھوڑے دن ہوئے مسلم لیگیوں کی غنڈہ گردی اور بے خبر لوگوں پر حملوں کی روک تھام کو مدِنظر رکھتے ہوئے بنائی گئی تھی۔ اس کی تشکیل کا فخر خان عبدالغفار خاں کے بڑے صاحبزادے مسٹر عبدالغنی خاں کو حاصل ہے جو پچھلی مرکزی اسمبلی میں صوبہ سرحد کے نمائندے بھی منتخب ہو گئے تھے۔ اس جلوس کی لمبائی سات میل کے قریب ہوگی۔ والنٹیر مختلف نعرے لگاتے ہوئے دوڑے جا رہے تھے تاہم اسے ایک جگہ کھڑے ہو کر دیکھنے میں دو گھنٹے سے زیادہ عرصہ صرف ہوا۔ اور آخر ایک ایسا وقت آ پہنچا جب جلوس کا پہلا حصہ واپسی پر دوسرے حصے کے ساتھ آملا۔

یہ آزاد پٹھانستان کا مظاہرہ تھا۔ یہ خدائی خدمتگاروں کی طاقت کی نمائش تھی۔ گو برطانوی سامراج کی چال نے وقتی طور پر خدائی خدمتگاروں

کی طاقت کو سلب سا کر دیا ہے ۔ لیکن کیا یہ طاقت دب گئی ہے ؟ کیا غیور
اور آزادی پسند پٹھان اپنے مطالبے کو چھوڑ دے گا ۔ یقیناً وقت بہت
جلد اس بات کی تائید میں ثبوت پیش کرے گا ۔ تب دنیا دیکھے گی کہ دبی مظلوم
طاقت پھر ایک تیز و تند سمندر کی موجوں کی طرح ان تمام ایجنٹوں کو بہا
کر لے جائے گی جنہیں برطانوی سامراج اور اس کے ایجنٹوں نے اس
طاقت کو ختم کرنے کے لئے پیدا کر دیا ہے ۔

بہر حال آزاد پٹھانستان ڈے کے عظیم الشان مظاہرے کے اندر ریفرینڈم
کا ڈھونگ رچایا گیا ۔ یہ ریفرینڈم کیا تھا ۔ اگر دو لفظوں میں مجھے کوئی اس کی
تعریف کرنے کو کہے تو میں اسے "کھلی بے ایمانی" کہہ دونگا ۔ کہنے کو یہ استصواب
رائے غیر جانبدار حلقوں کے زیر اثر کرایا گیا لیکن یہ ایک بہت بڑا
دھوکا تھا جو غریب پٹھانوں کے ساتھ برطانوی سامراج اور اس کے ایجنٹ
کر رہے تھے ۔ ایک طرف خدائی خدمتگار جماعت نے اس نام نہاد ریفرینڈم
کا بائیکاٹ کر رکھا تھا ۔ دوسری طرف مسلم لیگ اور سامراج کے ایجنٹ
کھلے بندوں بے ایمانیاں کر رہے تھے ۔ برسوں کے مرے ہوئے لوگ جن
کی ہڈیاں بھی قبروں کے نیچے تلاش کرنے پر اب نہ مل سکیں ۔ ووٹ پول
کر رہے تھے ۔ یہ اندھیر گردی اور بے ایمانی نہیں تو کیا ہے کہ جیل کے اندر
پڑے ہوئے اخلاقی قیدیوں کے ووٹ بھی پول ہو رہے ہیں ۔ سیّاں بھئے کوتوال
اب ڈر کاہے کا ۔ برطانوی سامراج کے ایجنٹوں اور سرکاری ملازموں کی نگاہ
کرم تو لیگ پر پہلے سے تھی ۔ اب تو پوچھنے والا ہی کون تھا ۔ اللہ دے اور
بندہ لے والا معاملہ تھا ۔ چنانچہ اس بے ایمانی کے ڈرامے کا ڈراپ
سین اس طرح ہوا کہ صوبہ سرحد کو پاکستان میں شامل کر دینے کا اعلان
کر دیا گیا اور غیور پٹھان جو آزادی کے لئے ۱۹۳۰ء سے مسلسل جدوجہد
کر رہے تھے ۔ آخر ایک ایسے غلامی کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے جسے برطانوی

سامراج کی غلامی سے بدترین اور تباہ کن کہا جائے تو کوئی بے جا نہ ہوگا۔

پاکستان کے لئے خطرہ

پاکستان میں صوبہ سرحد کی شمولیت کا اعلان تو ہو گیا۔ لیکن ابھی سامراج برطانیہ کا منشا پورا ہونے میں کسر باقی تھی۔ یعنی وزارت کی گدی خدائی خدمتگاروں کے قبضہ میں تھی۔ استصواب رائے کے ڈھونگ سے پہلے سر اولف کیرو جنہیں خاص طور پر برطانوی سامراج نے خدائی خدمتگار طاقت کے ختم کرنے کے مشن پر بھیجا تھا۔ مشن پورا ہوتے دیکھ چکے تھے اور ان کی جگہ عارضی طور پر صوبہ سرحد کی گورنری کے فرائض لفٹننٹ سر راب لوک ہارٹ سرانجام دیتے رہے تھے۔ جنہیں بعد ازاں ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔

نام نہاد ریفرنڈم کے بعد جب سرحد سرکاری طور پر پاکستان میں شامل ہو گیا۔ تو سرکردہ لیگیوں کا ایک وفد سر راب لوک ہارٹ گورنر سرحد کے پاس گیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ چونکہ صوبہ سرحد کے عوام پاکستان کے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ ہی ایک طرح سے خدائی خدمتگار وزارت کے خلاف عدم اعتماد ہے۔ اس لئے اب صوبہ سرحد کی خدائی خدمتگار وزارت کو معطل کر دیا جائے۔ لیکن گورنر سرحد نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے لیگیوں کو کہا کہ اسمبلی میں ٹھوس اکثریت رکھنے والی پارٹی کو وزارت سے معطل کرنا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ البتہ اس وفد کی گورنر سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر خانصاحب وزیراعظم صوبہ سرحد نے اعلان کیا کہ اگر مسلم لیگ

چاہئے تو سرحد اسمبلی کے نئے انتخابات کے بعد صحیح طور پر سرحد کے عوام کی رائے معلوم ہو سکے گی۔ لیکن مسلم لیگیوں نے ڈاکٹر خانصاحب کا یہ چیلنج نہ مانا۔ اور ماننے بھی کیسے۔ جبکہ ظاہری ڈھونگ کے باوجود اندرونی طور طور پر لیگ کی طاقت انتہائی کمزور تھی اور لیگ کا ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے کہ اگر سرحد اسمبلی کے نئے انتخابات پٹھانستان کے اشو پر لڑے گئے۔ تو شکست ہمارے گلے کا ہار ہو جائے گی"۔

دوسری طرف ۱۵ اگست قریب آرہا تھا۔ جبکہ سرکاری طور پر ہندوستان کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے اور ملک کے ایک حصے کا نام پاکستان رکھا جائے گا۔ لیگیوں کو جب سر راب لوک ہارٹ نے کورا جواب دیا اور یوں غیر آئینی طور پر وزارت ختم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو لیگ ہائی کمانڈ نے اس وقت خدائی خدمتگار طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے پرانے سامراجی ایجنٹ سر جارج کننگھم کو جو صوبہ سرحد کی گورنری سے سبکدوش ہو کر لنڈن جا چکے تھے لطور گورنر واپس صوبہ سرحد میں بلوا لیا۔

سر جارج کننگھم اپنی عمر کا طویل حصہ صوبہ سرحد میں گذار چکے تھے اور قبائل وغیرہ کے معاملات کو اچھی طرح نپٹانے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں چنانچہ اگست کے ابتدائی دنوں میں لفٹننٹ جنرل راب لوک ہارٹ جو خدائی خدمتگار وزارت کو معطل نہ کرنے کی وجہ سے لیگ ہائی کمانڈ میں ہر دلعزیز نہ ہو سکے تھے۔ کی جگہ سر جارج کننگھم لطور پہلے پاکستانی گورنر پشاور آ گئے۔

غریب پٹھانوں نے بہت واویلا کیا کہ سرحد کا گورنر کسی پٹھان کو مقرر کیا جائے۔ لیکن اب اختیارات کی باگ ڈور مسٹر جناح کے ہاتھ میں آ چکی تھی جو سارے پاکستان میں صوبہ سرحد اور اس کے اندر خدائی خدمتگار تحریک کو اپنے لئے خطرے کا الارم سمجھے ہوئے تھے۔

جمہوریت کا قتل

۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء برعظیم بھارت کی تقسیم کا دن۔ تاریخ میں اس دن کو
نیک بھی لکھا جائے گا۔ اور بد بھی۔ کیونکہ جہاں اس دن غلامی کا منحوس
طوق ہندواسیوں نے اپنی گردنوں سے اتار پھینکا۔ دہلی کی فضاؤں میں
ایک بار پھر آزادی کے دلفریب نغمے گونجنے لگے۔ وہاں ہندوستان کے
ایک اور حصے میں جسے اس دن سے پاکستان کا نام دیا گیا ہزاروں خاندان
تباہ و برباد ہو گئے۔ بے شمار بے گناہ مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں
کو موت کی گود میں ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ ظالموں نے وہ خوفناک ظلم و
ستم کا دور شروع کیا۔ جسے دیکھ کر اخلاق نے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ انسانیت
کے ماتھے پر ایک ایسا بدنما داغ لگ گیا۔ جسے دیکھ دیکھ کر آنے والی نسلیں
اپنے بزرگوں کے ان ناپاک کارناموں پر لعنت بھیجا کریں گی۔

۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء پاکستان کی تشکیل کا پہلا دن۔ جناح کے خواب
کی تعبیر کا روز اول۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پشاور لیگی اس دن کو اس غنڈہ
گردی سے پاک رکھتے جو مسلم لیگ کی شان امتیازی بن چکی تھی۔ چنانچہ
وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ لیگیوں نے جہاں بازاروں میں سجاوٹ کر کے
چراغاں کئے وہاں قوم پرست مسلمانوں کے گھروں کے آگے مٹی کے گھڑے
پھوڑے گئے۔ ان کے خلاف نعرے لگائے گئے اور ان کی دلشکنی کرنے کا کوئی
ذریعہ باقی نہ چھوڑا گیا۔

سرکاری طور پر بھی پشاور میں یہ دن بڑی سرگرمی سے منایا گیا۔ سب سے
پہلے اس دن بساط سیاست کے پرانے شاطر سر جارج کننگھم نے گورنمنٹ
ہاؤس میں اپنے عہدے کا حلف لیا۔ اس رسم کی ادائیگی کے وقت صوبہ سرحد

کی خدائی خدمت گار وزارت کے اراکین بھی شامل ہوتے۔ اس کے بعد دس بجے صبح کے قریب جب کننگھم پارک میں پاکستانی جھنڈا لہرایا گیا اور اس کی سلامی دینے کی تقریب سرکاری طور پر منائی گئی تو ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اس رسم کا بائیکاٹ کیا۔ شام کو ہر یک یادگار پر مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جشن منایا گیا جس میں گانے کے لئے طوائفیں اور قوال بلائے گئے۔ اس جشن میں جو راگ اور نظمیں گائی جاتی تھیں۔ ان میں بھی پاکستان کی تشکیل سے زیادہ ہندوؤں اور سکھوں کے لئے نفرت و حقارت کے جذبے کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اس میں ایک نظم کا ایک مطلع ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

ہلو ہلو اے دھوتی والو پاکستان ہمارا ہے
تم پر لعنت انتراتے ہو ہمیں قائد اعظم پیارا ہے

لیگ کے بڑے بڑے رہنما اس جشن میں موجود تھے اور گانے والوں کو عہدہ وغیرہ بطور انعام دے رہے تھے۔ رات کو شہر اور چھاؤنی میں چراغاں کیا گیا اور سرکاری عمارتوں پر بھی دیئے جلائے گئے ؛

مسٹر جناح نے پاکستان کے تخت حکومت پر بیٹھنے کے پورے ایک ہفتہ بعد سرحد کی خدائی خدمت گار وزارت کو ختم کرنے اور مسلم لیگ کی وزارت کی قائمی کے اعلان جاری کر دیئے یا یوں کہئے کہ پاکستان کے گورنر جنرل نے خدائی خدمت گار تحریک اور اس کی نمائندہ وزارت کے خلاف اپنے غم و غصہ کا یوں اظہار کیا۔ چنانچہ مسٹر جناح کے خاص حکم سے صوبہ سرحد میں جمہوری نظام کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا گیا اور ایک ایسی وزارت کی جگہ جسے صوبہ کے عوام کا پورا پورا اعتماد حاصل تھا اس پارٹی کو برسر اقتدار لایا گیا جو اسمبلی کے اندر اپنی حریف پارٹی کے سامنے ایک لمحہ بھی مقابلہ کی تاب نہیں رکھتی ؛

برطانوی سامراج نے ۳ جون کے پلان کے ذریعہ بنگال اور پنجاب کا فیصلہ

کرنے کے اختیارات دونوں صوبوں کی اسمبلیوں کو دیئے۔ لیکن سرحد اسمبلی کو پاکستان میں شمولیت یا عدم شمولیت کی رائے دینے کا حق نہ دیا۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ سامراج کا چاہیتا شاگرد اپنے استادوں سے پیچھے رہ جائے۔ چنانچہ اس نے سرحد اسمبلی میں کھلی اکثریت رکھنے کے باوجود خدائی خدمتگار وزارت کو معطل کر دیا اور اس طرح جمہوری نظام کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگ لیے۔

تشکیل پاکستان کے بعد

۱۵ اگست کے دن جب تشکیل پاکستان ہو چکی تو سرحد کے لیگی اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اس کے ساتھ جب اس بات کے امکانات ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور انہوں نے سرحد میں ہندوؤں سکھوں کے قتل اور غارتگری کے سلسلے کو دوبارہ جاری کرنے کی ٹھان لی۔

۲۲ اگست کی شام کو جب ایک طرف سرحد کا پاکستانی گورنر مسٹر عبدالقیوم کو وزارت کی تشکیل کے لئے دعوت دیتا ہے۔ تو دوسری طرف پشاور میں ہندو سکھوں کے قتل کی وارداتیں عام ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے پشاور میں لنگیوں کی ایک مشہور فرم کے مالک لالہ رام کشن کو اس کی دروازہ کے باہر جبکہ وہ سیر سے واپس گھر آ رہے تھے۔ ہلاک کر دیا گیا بس پھر کیا تھا۔ ہر روز دو چار دس آدمیوں کا قتل شروع ہو گیا .... یہ پہلا قتل اس تباہی کے دور کا آغاز ہے جو سرحد کے لیگیوں نے مذہب کے نام پر شروع کی۔ اس کے بعد ہر روز قتل کی وارداتیں ہو جاتیں۔ روز بروز اس قتل و غارتگری میں اضافہ ہوتا گیا ہے۔ پشاور شہر اور چھاؤنی میں قتل و

٭ [illegible]

غارت گری کا سلسلہ جاری تھا۔ صورت حالات اس قدر نازک تھی کہ کوئی ہندو سکھ
گھر سے نکلتے ہوئے یہ بات بہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ زندہ گھر واپس
آ جائے گا۔

پشاور کے لالہ امرناتھ لامبہ کے بنگلے پر دن دہاڑے ڈاکہ پڑا۔ لالہ امرناتھ
لامبہ اور ان کے ایک گورکھا ملازم کو ہلاک کر دیا گیا اور ڈاکو ان کے گھر کا مال و اسباب
لاریوں میں لاد کر لے جاتے رہے۔ مگر کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ لالہ مکھن لال
رام چند فرم کے مالک لالہ دینا ناتھ گگ کے مکان پر ڈاکہ ڈالا گیا اور انہیں
ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح اور کتنے ہی لوگ روز مرہ مارے جاتے۔ پولیس اور
فوج سب کچھ موجود تھی۔ مارنے والے مارتے تھے۔ دیکھنے والے دیکھتے
تھے اور قاتل صاف نکل جاتا تھا۔

پچھلے صفحات میں ہم نے یہ بتایا ہے کہ پشاور چھاؤنی کے پنڈت گردھاری
لال سلوان جنہوں نے اس نازک دور میں سرحد کے ہندوؤں سکھوں کی نشکام
سیوا کی مسلم لیگیوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے۔ لیگی ایک عرصہ سے
ان کی جان کے لاگو تھے۔ اور جرم ان کا صرف اتنا تھا کہ وہ ہندوؤں سکھوں
کے مخلص خادم کی طرح ان کی سیوا کرتے تھے۔ لیکن باوجود کوششوں کے
لیگیوں کا ان پر کوئی داؤ کارگر نہ ہو سکا اور ان کے بڑے صاحبزادے
پنڈت برہم دت سلوان کو ظالموں نے نہایت عیاری اور مکاری سے انہیں
کی دوکان کے اندر گولیوں سے ہلاک کر دیا۔

پنڈت برہم دت سلوان کو جب ہلاک کیا گیا۔ ان کے پتا پنڈت گردھاری
لال سلوان بذریعہ ہوائی جہاز سرحد کے ہندوؤں اور سکھوں کے مصائب
سے کانگرس سرکار کو آگاہ کرنے کے لئے دہلی آئے ہوئے تھے۔ اس نوجوان
کی ہلاکت کی اطلاع بھی پنڈت گردھاری لال سلوان کو دہلی ہی میں ملی۔
ظلم و ستم کا یہ دور برابر جاری تھا۔ ایک طرف تو ہندوؤں سکھوں

کے خون ناحق سے ہاتھ رنگے جا رہے تھے۔ دوسری طرف مسٹر عبدالقیوم جو اب وزیر اعظم سرحد بن چکا تھا اپنی تقریروں بیانوں میں مشرقی پنجاب کے ظلم و ستم کے افسانے چھپنے کر کے سرحدی مسلمانوں کو بھڑکانے میں مصروف تھا۔ اور سرحد کا محکمہ اطلاعات تو مشرقی پنجاب کے ظلم و ستم کی داستان کو خوب بڑھا چڑھا کر اور اپنے مطلب کی پالش دے کر عوام کے سامنے پیش کرنے میں لگا ہوا تھا۔

ایسی حالت میں مظلوم ہندوؤں اور سکھوں کا کون تھا۔ لے دے کر ایک خدائی خدمتگار وزارت پر لوگوں کو بھروسہ تھا اور یہی ایک چیز تھی جس کے آسرے بے شمار ہندو سکھ ہر طرح کے مصائب برداشت کرتے ہوئے بھی اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ لیکن اب تو غیر جمہوری طور پر اسے بھی ختم کر دیا گیا۔ اور دوسری طرف لیگی غنڈوں کو خاص طور پر تیار کیا گیا کہ وہ بے بس اور محصور ہندوؤں سکھوں پر ٹوٹ پڑیں۔ پشاور کے ایک بہت بڑے لیگی فروٹ فروش نے ہندو سکھ کے سر کی قیمت ایک سو روپیہ مقرر کر دی تھی۔ اور جو شخص کسی ہندو سکھ کو زخمی کرنے میں ہی کامیاب ہو سکے۔ اسے بھی پچاس روپے دیے جاتے۔

تب اب کیا تھا۔ غنڈوں اور دس نمبر کے بدمعاشوں کے لئے یہ دعوت عام تھی۔ چنانچہ ۲۰ اگست سے قتل و غارت کا سلسلہ بڑی باقاعدگی سے شروع ہو گیا۔ لیکن غالباً اس سے بھی لیگیوں کو اپنا مدعا پورا ہوتا نظر نہ آیا۔ چنانچہ ہندوؤں سکھوں کی مکمل تباہی اور بربادی کے لئے ایک جامع سکیم مرتب کی گئی اور اس ڈرامہ کا پہلا سین ستمبر کی سات تاریخ کو شروع کیا گیا۔

کافروں کے خلاف جہاد

۷ ستمبر ۱۹۴۷ء :-

یہی وہ خونی روز ہے۔ جس دن سرحد کے کمزور نہتے اور بےبس ہندوؤں سکھوں کا پاکستانی درندوں نے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق قتل عام شروع کر دیا۔ وحشت بربریت اور غنڈہ گردی کے وہ مظاہرے اس دن کئے گئے۔ جن کی مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ؛

یہ ایک گہری سازش تھی جس میں نہ صرف صوبہ سرحد کی حکومت اور مسلم لیگ ہی شامل تھی۔ بلکہ مغربی پنجاب کی مسلم لیگ بھی ان درندہ صفت کارناموں میں برابر کی شریک تھی ؛

۷ ستمبر کو عین دن کے بارہ بجے ایک موٹر سائیکل سوار نے جو پشاور چھاؤنی سے ریلوے سٹیشن پر پہنچا زور زور سے یہ چلانا شروع کر دیا۔

"مسلمانو! سکھوں کی ایک پلٹن باغی ہو گئی ہے اور چھاؤنی کے بازاروں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہے۔"

یہ چلانے کے بعد یہ موٹر سائیکل سوار شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے چند منٹ بعد ایک موٹر اور ایک لاری پر بیٹھے ہوئے چند آدمیوں نے بھی اسی بات کو دوہرایا :-

"در حقیقت بازار میں سکھوں نے مسلمانوں کو قتل عام شروع کر دیا ہے"

اسی طرح طے شدہ پروگرام کے مطابق پہلے [illegible] موٹر سائیکل پھر موٹر اور سب سے آخر میں لاری [illegible] چھاؤنی اور شہر میں پھیلائی گئی۔ اس کے ساتھ ہی پشاور چھاؤنی ریلوے سٹیشن کا [illegible] ہاتھ میں ننگی تلواریں "اللہ اکبر" اور کافروں کے خلاف جہاد شروع ہو گیا

کے نعرے لگاتا ہؤا باہر نکلا۔ بس پھر کیا تھا۔ آن کی آن میں مسلح لوگ چاروں
طرف سے نکل پڑے۔ ریلوے سٹیشن پر جو ہندو دکاندار۔ بابو یا دوسرے ہندو
سکھ موجود تھے۔ اُن پر بڑے بڑے پڑھے لکھے غنڈے درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے
چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئے۔ اور جہاں کوئی ہندو یا سکھ
نظر پڑتا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اس افواہ کو پھیلانے کے
ذرا تھوڑی دیر میں دیکھا گیا کہ یکایک مختلف دیہات سے سینکڑوں کی تعداد
میں مسلح دیہاتی لاریوں پر بیٹھے ہوئے چھاؤنی اور شہر کے اندر آ
گئے۔ ان لاریوں میں علاقہ غیر یعنی آزاد قبائل کے بھی کچھ آدمی تھے لیکن
غالباً اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو پشاور کے قریبی دیہات کے باشندے
تھے۔ ان مسلح دیہاتی غنڈوں نے چھاؤنی اور شہر کے مختلف حصوں
کو آپس میں بانٹ لیا۔

ہر ایک علاقے میں لوٹ مار قتل اور غارتگری کا دور شروع
ہو گیا۔ پشاور چھاؤنی اور پشاور شہر کے تمام بڑے بڑے بازار لوٹ
لئے گئے۔ پولیس لوٹ مار کرنے والوں کے ساتھ تھی اور لوٹ کے مال میں باقاعدہ
اپنا حصہ وصول کر رہی تھی۔

پشاور میں جب کوئی گروہ لوٹ کا مال لاتا۔ تو پولیس والے اپنا حصہ وصول
کر کے بقایا اُن کے حوالے کر دیتے۔ لیڈروں نے لوٹ مار کا مال ایک جگہ
جمع کرنے کے کئی اڈے بنائے ہوئے تھے۔

سینکڑوں بے گناہ مرد اور عورتیں موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔
ریلوے سٹیشن کے کوارٹر اور سول کوارٹر واقعہ کوہاٹ روڈ پشاور چھاؤنی
خاص طور پر قتل اور غارتگری کے مرکز بنے ہوئے تھے۔

سول کوارٹر میں تمام آبادی ان سرکاری ملازموں کی تھی جو مختلف
دفاتر میں ملازم تھے۔ اتوار کی وجہ سے تعطیل تھی۔ سب کے سب ملازم

تھے۔ نہایت بےفکری سے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر
گھوم پھر رہے تھے۔ جبکہ اچانک لٹیروں نے اُن پر دھاوا بول دیا۔ لٹیرے
مکمل طور پر مسلح تھے۔

نہتی عورتوں نہتے بے خبر مردوں اور معصوم بچوں پر ڈاکوؤں کا
یہ دھاوا بڑی بھاری تباہی کا باعث بنا۔ کتنے ہی ایسے خاندان صفحہ
ہستی سے ختم کر دیئے گئے۔ جو چند منٹ پہلے اپنی خوشحالی پر نازاں زندگی
بسر کر رہے تھے۔ چاروں طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ماں کی آنکھوں
کے سامنے اُس کے لختِ جگر کو ذبح کر دیا گیا۔ نوجوان عورتوں کے
سہاگ لوٹ لیے گئے۔ وائے بےبسی کتنے ہی مرد اپنی آنکھوں کے
سامنے اپنی آبرو کو لٹتا ہوا دیکھنے پر مجبور کیے گئے۔ مسلم لیگیوں نے
جو کچھ عرصہ پیشتر کہا تھا۔ کہ ہم ہلاکو اور چنگیز خاں کی خونی داستانوں کو
دہرا دیں گے۔ وہ بات انہوں نے پوری کر دکھائی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔
آج اگر ہلاکو اور چنگیز خاں زندہ ہوتے۔ تو یقیناً ان مظالم کو دیکھ کر
وہ بھی حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ ۷ ستمبر کا سارا دن اسی طرح
ظلم و ستم کا بازار گرم رہا۔ پشاور چھاؤنی کی طرح پشاور شہر میں بھی ہلاکو اور
چنگیز خاں کے نام لیواؤں نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ سکھوں
کی پلٹن کے باغی ہونے کی افواہ کا یہاں بھی نمایاں اثر ہوا۔ ایک دم شہر
کے مختلف بازاروں میں مسلم لیگی غنڈے چھوٹے چھوٹے گروہوں کی
صورت میں جمع ہونے لگے۔ اور فوراً ہی بعد ہندوؤں اور سکھوں کی
دکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا گیا۔ کروڑوں روپوں کی مالیت کا سامان
آن کی آن میں لوٹ لیا گیا۔ جہاں کہیں کسی ہندو سکھ کی دکان پر نظر
پڑی۔ فوراً اُس کے دروازے توڑ دیئے گئے۔ اور لوٹ شروع کر
دی گئی۔ پولیس ہر لوٹ میں شامل تھی۔ حکومت کی باگ ڈور مسلم لیگیوں

کے ہاتھ میں تھی۔ اب تو سپاہی بھی کوتوال بہادر کا ہے کا۔ پوچھنے والا ہی کون تھا۔ اِدھر شہر کے ایک دوسرے علاقہ آبپارہ کے ہندو محلوں پر غنڈوں نے دھاوا بول دیا۔

محلہ ککڑ وال علاقہ آبپارہ میں ہندوؤں سکھوں کا ایک اہم مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس محلے کے اندر ہندو سکھ محصور تھے۔ باہر سے مسلم لیگ کے سورماؤں نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ پہلے تو کافی عرصہ ہندو سکھ صبر سے دیکھتے رہے۔ خیال تھا کہ حکام ان ظالمانہ کارروائیوں کو روکنے کے لئے کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ لیکن جب بیکس اور محصور ہندوؤں سکھوں نے دیکھا کہ پانی سر سے گذر رہا ہے تو انہوں نے بھی جوابی کارروائی کرنے کی سوچی۔ اب حالت یہ تھی کہ ایک طرف سے خونخوار بھیڑیئے گھرے ہوئے مظلوموں پر گولیاں برسا رہے تھے اور دوسری جانب مظلوم ہندو سکھ حفاظت خود اختیاری کے طور پر فائرنگ کر رہے تھے۔ سارا دن اسی طرح مقابلہ جاری رہا۔ اُدھر سے لٹیرے مختلف نعرے لگاتے ہوئے ہندوؤں پر گولیاں برسا رہے تھے۔ اور اِدھر سے ہندو سکھ ان کے جواب میں گولی چلانے پر مجبور ہو رہے تھے۔ یہ سلسلہ سارا دن جاری رہا۔

محلہ ککڑ وال کے اندر اور اس علاقہ میں دوسرے محلوں میں قیامت کا منظر نظر آ رہا تھا۔ ہر ایک کو اپنی موت سامنے نظر آتی تھی اور خیال تھا کہ بدمعاش لٹیرے اپنی ظالمانہ کارروائیوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ محلہ ککڑ وال سے ایک میل کے فاصلے پر بر غالوی جادوگر سر جارج کننگھم یہ سب نظارے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان ظالمانہ کارروائیوں کی روک تھام کے لئے انہوں نے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور کرتے بھی کس طرح جبکہ یہ سب کچھ تو ایک خاص پروگرام کے ماتحت کیا جا رہا تھا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ رات کی سیاہی اپنی ڈراؤنی صورت میں آ نمودار ہوئی۔

ساری رات بھی یہی عالم رہا۔ ظلم و ستم کا چکر اسی طرح چلتا رہا۔ ہر مسلم محلے سے
گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ شہر میں بھی اور چھاؤنی میں بھی اسی طرح فائرنگ ہوتے
رہے۔ مظلوم ہندو اور سکھ اپنے اپنے علاقوں میں نظر بند اور مجبور رہے۔ اور
کوئی بھی ان کے مصائب میں ہمدردی کرنے والا نہ تھا۔ حکومت کی باگ ڈور
مسلم لیگی رہنماؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ اور لیگ والے ہمیشہ ہی لوگوں کو ہندوؤں
سکھوں کے خلاف بھڑکاتے چلے آئے تھے۔ کافروں کے خلاف جہاد سے
سرشار کرنے والے اب بھلا عوام کو امن و امان کی قائمی کے لئے کیونکر کہہ
سکتے تھے۔ صبح سے شام تک لوٹ مار، قتل اور غارت گری جاری رہی۔ لیکن کسی
نے لیڈر کو پوچھا تک نہیں۔ البتہ شام کو ڈپٹی کمشنر صاحب نے جو ایک
ٹکسالی پاکستانی تھے۔ ہندوؤں سکھوں کے حال پر بڑی بھاری نوازش کی۔
اور چوبیس گھنٹے کے کرفیو کا اعلان کر دیا۔ لیکن عملاً یہ کرفیو بھی ہندوؤں سکھوں
کے لئے تھا۔ مسلمان تو کھلے بندوں اور مسلح بازاروں میں پھر رہے تھے۔ لیکن
کوئی بھی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔ بہر حال کرفیو لگ جانے سے ہندوؤں
سکھوں کو قدرے ڈھارس ہوئی اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید اب ہمارے
حال پر کرم ہوگا۔ اور حکومت اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے گی۔ لیکن بعد
کی حالت نے ثابت کیا۔ یہ خیال ان کا صریحاً غلط تھا۔

یہ رات ہندوؤں سکھوں کے لئے قیامت کی رات کے برابر تھی۔ ہزاروں
گھرانوں میں سے چند ایک ہی ایسے تھے جنہوں نے آج کھانے کی صورت دیکھی۔
کتنے ہی گھروں میں ماتم تھا اور کتنے ہی آدمیوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔ کہیں شوہر بیوی
کے اغوا میں ماتم کناں تھا۔ تو کہیں بیوی شوہر کے قتل پر سر پیٹ رہی تھی۔ اور
کسی جگہ ماں اپنے لخت جگر کے ماتم میں سینہ کوبی کر رہی تھی۔ سارا ہی قیامت
کا نظارہ دکھا رہا تھا۔ عجیب کس مپرسی اور بیچارگی کا عالم تھا۔ قانون اور انصاف
کا گلا امن و امان کی قائمی قانون کی شان کو برقرار رکھنے کے فرائض ادا کرنے والے ہاتھوں سے ہی گھونٹا گیا۔

قیامت کا دوسرا دن

صوبہ سرحد کے لوگوں کے لئے ۸ ستمبر قیامت کا دوسرا دن تھا۔ پشاور شہر اور چھاؤنی میں کرفیو کے نفاذ سے مظلوم ہندوؤں اور سکھوں نے جو اُمیدیں دل میں باندھی تھیں وہ سب کی سب غلط نکلیں۔ دوسرے دن بھی لوٹ مار، قتل اور غارت گری کا وہی دور تھا۔ بدستور اسی طرح تباہی اور بربادی کا سلسلہ جاری تھا۔ جو مسلم لیگ کے پروگرام کا خاص حصہ ہے اور جسے لیگی ہائی کمانڈ کی لغات میں ڈائرکٹ ایکشن کا نام دیا گیا۔

پشاور کے علاقہ آسیا میں محلہ تکّڑاں جہاں کل دن بھر حملے ہوتے رہے آج اور بھی شدّت کا محاذ بن گیا۔ ہر چھوٹا بڑا مسلم لیگی بندوقیں ہاتھ میں لئے اس محلے پر حملہ آور ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد محلہ تکّڑاں کا صدر دروازہ جسے پشاوری زبان میں ہٹی کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جو اب تک لٹیروں کی روک تھام میں پورا محافظ بنا ہوا تھا۔ لٹیروں نے توڑ کر رکھ دیا۔ بس اب کیا تھا۔ روک تھام کا راستہ ہٹ گیا اور لٹیرے محلے کے اندر داخل ہو گئے۔ اب تو ایک ایک گھر محاذِ جنگ بن گیا۔ لٹیرے گھروں کے اندر داخل ہو گئے۔ گھر گھر میں لوٹ اور قتل کا بازار گرم ہو گیا۔ سارے محلے میں چیخ و پکار پڑ گئی۔ مظلوم محلے والے ایک گھر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں چھپنے لگے۔ لٹیروں نے لوٹنے کے بعد محلے کے چاروں طرف آگ بھی لگا دی۔ جس نے آن کی آن میں محلے بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ گھیرے میں پڑے ہوئے ہندو سکھ پہلے تو محلے کی چار دیواری کے اندر بند تھے اب آگ کے گھیرے میں آ گئے۔ ادھر لٹیروں نے محلے کے مختلف گھروں میں اپنے

[illegible]

اب محلہ ککڑاں کے غیور نوجوانوں نے جب دیکھا کہ موت صاف سامنے نظر آ رہی ہے۔ مرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو انہوں نے بھی لٹیروں کے سامنے مونچھ بنا لیے اور سینہ تان کر مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اس محلے کے ایک نوجوان نے جس کا نام مسٹر روشن لال چوپڑہ تھا جو لالہ سوہن لال چوپڑہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ لٹیروں کو خوب ناکوں چنے چبائے۔ اکیلے بہادر نے کتنے ہی غنڈوں کو کتے کی موت مار کر رکھ دیا۔ آخر یہ بہادر نوجوان اس جنگ میں شدید زخمی ہوا۔ اور جس کے بعد موت کی گود میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھپ گیا۔ اس محلے کے ہندوؤں سکھوں کو مسلم لیگیوں نے جو تر نوالہ سمجھ رکھا تھا۔ وہ اُن کی توقع کے خلاف گلے کا کانٹا بن گیا۔ چاروں طرف سے بھڑکتی ہوئی بھٹی میں گھرے ہوئے بھی لٹیروں کا مقابلہ کرنا۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا سب کچھ تباہ ہوتے دیکھتے ہوئے حوصلہ نہ ہارنا۔ یہ مردانگی کی بہت بڑی شان ہے۔ پشاور کے ہندوؤں اور سکھوں نے اس شان کو برقرار رکھا۔ اور اسی شان کے ساتھ لٹیروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اب آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مکان نذرِ آتش ہوتا گیا۔ اور اس کے ساتھ لٹیرے اور ڈاکو جو مسلم لیگ کے نام نہاد جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اب بھی بدستور گولیاں برسا رہے تھے اور ہر اس مکان کا سامان لوٹ لیا جاتا۔ جس تک اُن کی رسائی ہو سکتی تھی۔

رات کے ۹ بجے کے قریب پشاور میں مقیم ہندوستان سرکار کے ایک فوجی دستے کے پر ولنٹ پر جس میں صرف ہندو سپاہی تھے۔ اس علاقہ کے ہندو سکھوں کو جو آگ میں گھرے ہوئے تھے۔ لاری کے ذریعہ نکالنا شروع کیا گیا۔ اور قلعہ بالا حصار میں پناہ گزینوں کا کیمپ کھولا گیا۔ جہاں لاریوں کے ذریعہ ہندوؤں اور سکھوں کو پہنچایا گیا۔

یہاں یہ بات صاف کر دینی بھی ضروری ہے کہ اگر پشاور میں یہ فوجی دستہ مقیم نہ ہوتا۔ اور اس دستے نے بار بار۔ اس لوٹ مار کے خلاف پروٹیسٹ نہ کیا ہوتا۔ تب یقیناً اس علاقہ کے سارے ہندو سکھ مرد اور عورتوں کو زندہ آگ میں جل جانا پڑتا۔ ایک طرف تو علاقہ آسیا میں آگ کے ذریعہ ہندوؤں سکھوں کی کروڑوں روپیوں کی جائیداد کو تباہ کر دیا گیا۔ اور دوسری طرف غنڈوں کے ایک دوسرے ہجوم نے شہر کے ایک دوسرے حصہ علاقہ گنج میں ہندوؤں اور سکھوں کے مکانوں پر حملے شروع کر دیئے گنج میں حملہ آور ہونے سے پہلے یہ ہجوم محلہ ڈھلان پر حملہ کرنے کے لئے آیا۔ لیکن اس علاقہ کے چند کانگریسی مسلمانوں نے اور کچھ رئیس مسلمانوں نے جن کے عالی شان مکانات ہندوؤں کے مکانوں کے ساتھ تھے۔ اس خیال سے ہجوم کو اس محلے پر حملہ آور نہ ہونے دیا کہ اگر یہاں آگ لگ گئی۔ تو ساتھ کا سارا علاقہ جو مسلمان آبادی پر مشتمل تھا۔ نذرِ آتش ہو جائے گا۔ چنانچہ ہجوم اور قریبی دیہات کے دوسرے غنڈوں نے گنج کے ہندو سکھ علاقہ پر دھاوا بول دیا اور تھوڑی ہی دیر میں محلہ ککڑاں کی طرح گنج میں آگ لگا دی گئی۔ جلد ہی یہاں بھی آگ پھیل گئی اور اس نے محلے کے چاروں اطراف کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا۔ گنج میں آگ لگنے کے فوراً بعد ہوا نہایت تیزی سے چلنی شروع ہو گئی۔ ہوا کی تیزی نے بہت جلد ہندوؤں سکھوں کے مکان تو صاف کر دیئے۔ لیکن اس سے آگ کا رُخ اس علاقہ کی طرف پھر گیا۔ جہاں سو فیصدی مکان مسلمان لوگوں کے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہوا اور بھی تیز و تند ہوتی گئی۔ آگ بڑھنی شروع ہو گئی۔ اب تخریبی اور تباہی کے راستہ پر چلنے والوں کو لینے کے دینے پڑ گئے اور اس علاقہ کے مسلمانوں نے اب اپنا اسباب نکال کر بھاگنا شروع کر دیا۔ وہی لوگ جو تھوڑی دیر پہلے لوٹ مار میں شامل تھے اور اسے نہ صرف اپنے لئے فخر کا کام سمجھے ہوئے تھے۔ بلکہ جہالت کی وجہ سے اسے

خدمتِ اسلام بھی سمجھ رہے تھے۔ اب خود نالاں تھے ؛

اب آگ بے تحاشا مسلمانوں کے محلوں کی طرف پھیلنی شروع ہوگئی۔ تو وہی حکام جو ہندوؤں اور سکھوں کی تباہی کو اپنے پروگرام کی تکمیل سمجھ کر مسکرا رہے تھے۔ سٹ پٹا اٹھے۔ اور آگ پر قابو پانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع ہوگئی۔ اب تو فائر بریگیڈ کی سرگرمیاں بھی تیز ہوگئیں اور ملٹری بھی بڑی بھاری تعداد میں آگ پر قابو حاصل کرنے کے لئے آموجود ہوئی ؛

لیکن ہوا کی تیزی کے سامنے سب لاچار تھے۔ آگ بدستور بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت بے گناہ ہندوؤں اور سکھوں پر جو توڑے گئے ظلم و ستم کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ اس علاقہ میں ہندوؤں اور سکھوں کے مکان تو صاف ہو چکے تھے۔ شری گورو نانک دیو کے صاحبزادے بابا سری چند جی کی مشہور اور تاریخی دھرم شالہ بھی نذر آتش ہو چکی تھی۔ اب آگ کا سارا زور مسلم آبادی کے مکانوں پر ہی تھا۔ سول اور فوجی حکام ہندوؤں کے مصائب پر خندہ زن تھے۔ لیکن یہاں ان کی ہر کوشش بیکار ثابت ہو رہی تھی۔ اور آگ بڑھتی جا رہی تھی اب وہ مسلمان جو ہندوؤں سکھوں کی تباہی کے لئے سرگرم کار تھے بری طرح بدحواس ہوگئے۔ دوسروں کی تباہی کا منظر دلچسپی سے دیکھنے والے اب اپنی بربادی پر نالاں تھے۔ اور لیگ کو کوس رہے ہے۔ کئی مسلمان اپنے مکانوں پر کھڑے اذان دے رہے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کی غیبی طاقت کو اپنے بچانے کے لئے بلا رہے تھے۔ لیکن آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ اور اسے روکنے کا جو بھی سادھن کیا جاتا۔ بیکار ثابت ہوتا۔ آخر جب ملٹری نے یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ خطرہ تو شہر کی پوری تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اپنا آخری ہتھیار آزمایا۔ یعنی کئی ایسے مکانوں کو بموں کے ذریعہ اڑا کر رکھ دیا گیا۔ جن سے آگ ابھی کافی دور تھی اور اس طرح

کتنے ہی مکان گرانے کے بعد کہیں صبح کے قریب آگ پر قابو پا لیا گیا۔

گنج کے علاقہ کی آگ سے جب مسلمانوں کے کافی مکان جل گئے۔ تو لوٹ مار کا جذبہ ذرا ٹھنڈا پڑا۔ اور شاید حکام نے بھی محسوس کیا کہ اگر اور ایک دن کے لئے کھلی چھوٹ دیدی گئی۔ تو شاید شہر کے دوسرے حصے بھی نذرِ آتش ہو جائیں۔ چنانچہ دوسرے دن کئی ایک مقامات پر پولیس نے باقاعدگی سے کام کرنے لگی۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ ہندوؤں کی تباہی اور بربادی کا جو پروگرام مسلم لیگیوں نے مرتب کیا تھا۔ وہ اب پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے تیسرے دن لوٹ مار کی سرگرمیاں کچھ ماند پڑ گئیں۔ لیکن بیکس ہندوؤں سکھوں کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اور وہ بدستور اپنے محلوں میں بند تھے۔ ان کے لئے محلوں سے باہر جانا ناممکن تھا۔ اور اگر کوئی جرأت کرتا تو اسے خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا پڑتا۔ کئی ایک ایسے واقعات ہوئے جب کسی مجبوری کے باعث کوئی شخص گھر سے باہر نکلا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ گویا مسٹر عبدالقیوم کے راج میں ہندو یا سکھ ہونا ایک ایسا جرم ہو گیا۔ جس کی سزا موت کے سوا کوئی دوسری نہ تھی۔

جہاد نوشہرہ میں

گذشتہ دونوں ابواب میں جو حالات تحریر کئے گئے ہیں۔ وہ تقریباً سب کے سب پشاور شہر اور چھاؤنی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن پشاور سے باہر کے حالات بھی ان سے مختلف نہ تھے۔ نوشہرہ چھاؤنی اور دوسرے مقامات پر بھی سکھوں کی پلٹن کے باغی ہونے اور مسلمانوں کے قتلِ عام کا افسانہ تراشا گیا۔

یہاں بھی ۷ ستمبر کو عین دن کے بارہ بجے یہی افواہ پھیلائی گئی۔ اور اس کے بعد نوشہرہ چھاؤنی میں لوٹ مار اور قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ لاکھوں روپے کی مالیت کی جائیدادیں جلا کر خاک کر دی گئیں۔ ہندوؤں سکھوں کے مکانوں پر حملوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جہاں اور جس جگہ کسی ہندو سکھ کو دیکھا۔ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پشاور کی طرح یہاں بھی پولیس اور فوج کی حمایت بلوائیوں کو حاصل تھی۔ لوٹ مار اور قتل کھلے بندوں ہوتے تھے۔ اور پولیس یا فوج کی طرف سے بلوائیوں اور لٹیروں کو روکنا تو درکنار۔ الٹا اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی جس طرح پشاور میں پولیس لوٹ کھسوٹ کے مال میں اپنا حصہ وصول کرتی رہی۔ وہی طریقہ یہاں بھی برتا گیا۔

نوشہرہ چھاؤنی کی پوزیشن پشاور سے قدرے مختلف تھی۔ جہاں پشاور میں ہندو مختلف محلوں کے اندر رہتے تھے۔ وہاں نوشہرہ میں ساری آبادی کھلی تھی۔ اس لئے ظالموں کو یہاں ظلم و ستم ڈھانے کا اور بھی موقع ہاتھ آیا۔ چنانچہ کتنی ہی بیکس ابلائیں اغوا کر لی گئیں۔ کتنے ہی بیگناہ مرد قتل کر دیئے گئے۔ اور یہاں بھی ظلم و ستم وحشت اور بربریت کا دور دورہ

دو دن تک جاری رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو دن تک یہاں بھی لوٹ مار کرنے والوں کو کھلی چھٹی دیدی گئی ہے۔ جو لوگ اس وقت کی سرحد کی سیاسی حالت سے واقف ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ ایک طے شدہ سازش تھی۔ تباہی اور بربادی کے اس پروگرام کو مرتب کرنے سے پہلے صوبہ سرحد کے پاکستانی وزیر اعظم نوشہرہ آئے اور پولیس کے سرکردہ افسروں کو اپنے ساتھ لے کر ملّا مانکی کے گاؤں مانکی شریف میں چلے گئے۔ جہاں یہ سارے پروگرام مرتب کئے گئے۔ اور اسی طرح سازش پشاور میں بھی کی گئی۔ پھر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اور اپنے کندھوں سے قتل اور غارت گری کی ذمہ داری دور کرنے کے لئے پاکستان کے اس خونی وزیر اعظم نے لاہور جانے کا ڈھونگ رچا۔ تاکہ دنیا پر یہ ظاہر کیا جا سکے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ میری غیر حاضری میں ہو رہا ہے۔ اور اگر میں سرحد میں موجود ہوتا۔ تب یقیناً یہ تباہی اور بربادی نہ ہوتی۔ لیکن کیا اسی طرح یہ خونِ ناحق چھپ سکیگا۔ یقیناً نہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ صوبہ سرحد کے ہندوؤں سکھوں کے قتلِ عام انہیں تباہ و برباد کرنے کی ساری ذمہ داری اسی ایک شخص پر عائد ہوتی ہے اور یہی وہ شخص ہے جس کی بدولت سرحد کی اقلیتیں اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئیں۔ یہی وہ شخص ہے۔ جس نے برسر اقتدار آنے کے بعد ہندوؤں سکھوں کو تباہ کرنے کی سازش کی۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ کہ اگر صوبہ سرحد میں خالص ڈکٹیٹرانہ طریقے اختیار نہ کئے جاتے۔ اور اسمبلی کے اندر ہاؤس اکثریت رکھنے والی خدمتگار وزارت معطل نہ کر دی جاتی۔ تو یقیناً یہ حالات پیدا نہ ہو سکتے تھے۔ پنجاب کے اندر جو غنڈہ گردی کا دور شروع ہوا۔ اگر اس کا کوئی اثر ہونا بھی۔ تو وہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن نہ ہوتا۔ جس قدر اب ہو چکا ہے۔ اور نہ ہی مسٹر عبدالقیوم کو یہ موقع مل سکتا تھا۔

کہ اس طرح سرحد کے ہندوؤں سکھوں کو قتل کرنے اور لوٹ مار کی سازش مکمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن اگر یہ باتیں نہ ہوتیں۔ تو اس سمت تو مسلم لیگ کا مدعا پورا ہونا تھا۔ اور نہ ہی اُس نیلی چشم دیوتا کی خواہشوں کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ جو لیگ کے پردے کے پیچھے سات سمندر پار بیٹھا ہوا تار ہلا رہا تھا۔ یہی چیز تھی۔ جس کے لئے مسٹر جناح نے جمہوری اُصولوں کو ذبح کر کے اپنے ہاتھ جمہوریت کے خون سے رنگنے قبول کئے۔ سازش کے لئے ۷-۸ اور ۹ ستمبر کے تین دن منتخب کئے گئے تھے! ایک ہی وقت ایک ہی دن ایک ہی قسم کی افواہ کے ذریعہ لوگوں کو آمادہ فساد کرنا کیا یہ سب باتیں یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی نہیں کہ مسلم لیگ اور اُس کے حواریوں نے صوبہ سرحد میں جو قتلِ عام شروع کیا۔ وہ ایک سوچے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔

پشاور کی طرح جب نوشہرہ میں لوٹ مار کا پروگرام پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا۔ تو یہاں بھی ایک ریفیوجی کیمپ فوجی بارکوں میں کھول دیا گیا۔

ایک تیر سے دو شکار

پشاور۔ نوشہرہ اور دوسرے مقامات پر ۷-۸ اور ۹ ستمبر کو جو تباہی اور بربادی مسلم لیگیوں نے کی۔ اُس کی روئیداد پچھلے صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ یہ حالات اس قدر ہولناک تباہ کن اور دردناک ہیں۔ کہ میرے لئے اُنہیں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا صرف دشوار ہے۔ بلکہ ناممکن بھی۔ پاکستان کی تشکیل کے بعد جس قدر ہندو یا سکھ پاکستان کے کسی حصے میں رہے اُن میں سے ایک ایک کے ساتھ ظلم و ستم کی طویل داستانیں وابستہ ہیں۔ لیگیوں نے وہ ظلم ڈھائے۔ جن کی مثال تاریخ میں نہیں

تھی۔ لیکن یہ بات بددیانتی میں داخل ہوگی۔ اگر میں اُس روشنی کا ذکر نہ کروں۔ جو ظلم و ستم کے اس اندھیرے میں بھی دکھائی دیتی تھی۔ میرا اشارہ ان کانگرسی اور قوم پرست مسلمانوں کے سلوک کی طرف ہے۔ جو اُنہوں نے اس نازک دور میں ہندوؤں سکھوں کے ساتھ عموماً اور اپنے دوستوں کے ساتھ خصوصاً کیا۔

انہیں لوٹ مار کے دنوں میں جبکہ مسلم لیگی مسلمانوں کو بھڑکانے میں پورے طور پر کامیاب ہو چکے تھے۔ جب کسی شخص کو محض اس لیے ہلاک کر دینا ثواب سمجھا جاتا تھا۔ کہ اُس کے مذہبی عقائد اسلام سے مختلف ہیں۔ جب کسی ہندو یا سکھ کو لوٹ لینا اسلام کی "قائد اعظم" کی اور پاکستان کی سب سے بڑی خدمت سمجھا جاتا تھا۔ جب انسانیت پر وحشت اور بربریت غالب آ چکی تھی۔ اور جب اخلاق اور مروت کے نام سے پاکستان کے لوگ بیگانہ ہو چکے تھے۔ تب بھی قوم پرست مسلمانوں نے کتنے ہی ہندوؤں سکھوں کی جانیں بچائیں۔ خطرات میں گھرے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو محفوظ مقام پر پہنچایا۔ اور جہاں تک ہو سکا۔ اُن کی جائدادوں کو بھی نذر آتش ہونے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

صوبہ سرحد کے پاکستانی وزیر اعظم نے جو کسی زمانے میں مسلم لیگ کو غداروں کی جماعت کہا کرتا تھا۔ اس بات کو نہایت بری طرح محسوس کیا۔ اور اب اُس کی نگاہ ہندوؤں سکھوں کی تباہی کے بعد اپنے سیاسی حریفوں کی طرف گئی۔ چنانچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء سے سرحد کے مختلف مقامات پر کانگرسی مسلمانوں اور خدائی خدمتگاروں کی گرفتاریوں کی ایک مہم شروع کر دی گئی۔ تقریباً وہی سب کے سب لوگ پکڑ کر جیلوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے گئے جنہوں نے لوٹ مار اور افراتفری کے دور میں ہندوؤں سکھوں کی حفاظت کی یا بھڑکائے ہوئے مسلم عوام کو ہندو و

کے جلوں پر حملہ کرنے سے روکا۔ چنانچہ پشاور کانگرس کمیٹی کے پریذیڈنٹ
کامریڈ محمد یونس قریشی۔ کامریڈ غلام محمد گاماں۔ خدائی خدمتگاروں کے جرنیل
ولی محمد خاں انجمن گاڈیباناں کے صدر۔ کامریڈ عمر بخش۔ کامریڈ عبدالغفور
آتش اور اسی طرح دوسرے سرحدی قوم پرست مسلمان جنہوں نے کانگرس
کے سہ رنگا نشان کے نیچے قربانیاں دیں۔ زیر دفعہ ۱۴ سرحدی گرفتار کر لیے
گئے۔ اور اس لوٹ مار قتل اور غارت گری کے لیے انہیں ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔
جس کا پروگرام خود لیگیوں نے مرتب کیا تھا۔ اور جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے
کے لیے مسلم عوام کو کافروں کے خلاف جہاد کے نام پر کھڑا کیا گیا تھا۔
گویا مسٹر عبدالقیوم نے انہیں اس بات کی سزا دی۔ کہ ہندوؤں سکھوں کی
تباہی کا جو ناپاک مشن لیگ نے شروع کیا تھا۔ اسے پورا کرنے میں کئی حالتوں
میں یہ لوگ روڑا ثابت ہوئے۔

آج جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ سرحد کے جیلوں میں یہ دو
اور ان کے بے شمار ساتھی۔ اسی الزام کی پاداش میں مصائب کے دن
کاٹ رہے ہیں۔ مسٹر عبدالقیوم نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ لوٹ مار سے
سرحد کی اقلیتوں کو جنہیں مسلم لیگ پاکستان وزارت کی راہ میں کانٹا سمجھے
ہوئے تھی۔ دور کیا گیا۔ اور پھر اس الزام میں اپنے سیاسی مخالفوں کو چن
چن کر پکڑا۔ اور انہیں جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا۔ ظلم و تشدد کا
جو چکر چلایا گیا۔ اس کی زد ان لوگوں پر پوری پوری پڑی ہے۔ جو قوم پرست
ہیں۔ جو ہند کی ایکتا میں یقین رکھتے تھے۔ جو ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں تھے اور
جنہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا۔ کہ بڑے سے بڑے دلوں میں بھی
وہ قربانی میں پورے اتر سکتے ہیں۔

اخلاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسے قوم پرست مسلمانوں کا
شکریہ ادا کیا جائے۔ اور دیانتداری کا منشا ہرگز پورا نہ ہوتا۔ اگر میں

اس کتاب میں اُن دوستوں کا شکریہ ادا نہ کرنا۔ جنہیں مسلم لیگیوں نے امن و امان قائم رکھنے کی کوششوں کے "جرم" میں جیلوں میں بند رکھا ہوا ہے۔

اب یہ پاکستان کا مال ہے

صوبہ سرحد کے پاکستانیوں نے تباہی اور بربادی کا جو پروگرام مرتب کیا تھا۔ اب وہ بہت حد تک پُورا ہو چکا۔ تاہم پشاور شہر میں چند ایک بازار ایسے بھی تھے۔ جو کسی نہ کسی طرح لیگیوں کی تخریبی نگاہوں سے محفوظ رہ گئے تھے۔ ایسے گودام بھی بچ گئے۔ جن میں لاکھوں روپوں کا مال پڑا ہوا تھا۔ جب حالات ذرا سدھرے۔ تو ہندو اور سکھوں نے کوششیں کیں۔ کہ بچی بچائی دکانوں کو کھول کر کاروبار جاری کیا جائے۔ جونہی اس کی اطلاع لیگی حلقوں میں اور خاص طور پر مسٹر عبدالقیوم اور مانکی کے مُلا کے کانوں تک پہنچی۔ تو انہوں نے محسوس کیا۔ کہ اُن کے پروگرام کا آخری حصہ پُورا نہیں ہو سکیگا۔ کیونکہ اس علاقہ کو پاک کرنے کی جو ناپاک سازش مرتب کی گئی ہے۔ وہ "تشنہ تکمیل" رہ جائے گی۔

سرحد اسمبلی میں ہندو سکھ ممبروں کی تعداد بارہ تھی۔ جن میں سے صرف ایک ممبر یعنی سردار پرتاپ سنگھ کٹاریہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل نہ ہونے کے باوجود اُن کے ساتھ تھے۔ اور بہت سے معاملات میں اسمبلی کے اندر لیگ کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ یہ صاحب ماسٹر تارا سنگھ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ باقی گیارہ ہندو اور سکھ ممبران اسمبلی خدائی خدمتگار وزارت کے ساتھ تھے۔ عبدالقیوم کی وزارت کے راستے کے یہ روڑے تبھی دُور ہو سکتے تھے۔ اگر یہاں سے ہندو سکھ عوام ہجرت کر جائیں۔ اور ہندو سکھ ممبر اُسی صورت میں یہاں سے جا سکتے تھے۔

جب سرحد کو ہندو سکھوں سے پاک کر کے لیگ کے نقطۂ نظر سے صحیح معنوں میں پاکستان بنایا جائے۔ مسٹر عبدالقیوم نے خدشہ محسوس کیا۔ کہ اگر دوبارہ ہندو سکھ کام کاج میں مشغول ہو گئے۔ اور حالات سُدھر گئے۔ تب ہندو سکھوں کو صوبہ بدر کرنے کا پروگرام ادھورا رہ جائے گا۔ چنانچہ ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لیگ کے والنٹیروں کو ہدایات دی گئیں کہ بچی ہوئی دُکانوں اور اُن مکانوں کو جن کے ہندو مالک مارچ کے آخری دنوں میں ہجرت کر گئے تھے۔ سر بمہر کر دیا جائے۔

چنانچہ بیکس ہندو سکھوں کی دُکانوں پر مُہریں چسپاں ہونے لگیں۔ ہر دُکان کے تالے پر سبز رنگ کے کپڑے سے سلائی کی جاتی اور اُس پر مہر لگا دی جاتی۔ یہ سب کی سب مہریں مسٹر جناح کے نام کی تھیں۔ انگریزی حروف میں ایم۔ اے۔ جے یعنی محمد علی جناح لکھا ہوا ہوتا۔ گویا مسٹر جناح کے نام پر ہندوؤں سکھوں کے لاکھوں روپوں کے ان مال پر قبضہ کیا جا رہا تھا۔ جو لوٹ سے بچ گیا تھا۔ لیگ کے والنٹیر بندوقوں۔ پستولوں اور تلواروں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے مسلح بیکس ہندوؤں سکھوں کی دُکانوں۔ گوداموں اور مکانوں پر مہریں لگاتے پھرتے تھے۔ اور اگر کوئی مالک اعتراض کرنے کی جُرأت کرتا۔ تو اُسے جواب دیا جاتا۔ کہ "اب یہ پاکستان کا مال" ہے۔

مصیبت زدہ ہندوؤں سکھوں کے پاس لے دے کر اب یہی چارہ تھا۔ کہ مقامی حکام کے پاس جائیں۔ جو سب کے سب نہ صرف مسلمان تھے۔ بلکہ ٹکسالی قسم کے مسلم لیگی۔ انتہائی متعصب اور تنگ دل بھی تھے۔ اور جب یہ بات اُن کے نوٹس میں لائی جاتی اور اُن سے پوچھا جاتا۔ کہ یہ مہریں آپ کے حکم سے لگائی جا رہی ہیں؟ تو سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ حیرانی کا اظہار کرتے۔ اور کہتے ہمیں تو اس کا علم تک نہیں۔

اب پہلی بار آپ کی زبانی اس بات کی اطلاع ملی ہے۔ بہرحال ہم نجی طور پر تحقیقات
کرینگے۔ دوسرے حکام اس طرح اپنی جان چھڑاتے اور بے خبری کا اظہار کرتے اور
دوسری طرف لیگ کے والنٹیر اپنی سرگرمیوں میں بدستور مشغول تھے۔ دن
بھر بازاروں میں مسلح طور پر مظاہرے کرتے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے مکانوں
اور دکانوں پر مہریں لگائی جاتیں۔ جسے چاہتے گرفتار کرتے۔ اور جس کا مال
پسند آتا ضبط کر لیا جاتا۔ پولیس سب کی سب لیگیوں کے اشاروں پر ناچتی
تھی۔ ایک عجیب حالت تھی۔ ایک عجیب دورِ حکومت تھا جس نے سبز رنگ کی
وردی پہنی ہوتی یا کم از کم سبز چادر اپنے کندھوں پر رکھی ہوتی۔ بس وہی حاکم
تھا۔ وہی افسر تھا۔ اور اُس کے حکم پر لوگ پکڑے بھی جاتے۔ رہا بھی کیے
جاتے۔ دُکانوں سے اُٹھا بھی دیا جاتا۔ اور اُن کے مکانوں پر مہریں بھی
لگا دی جاتیں۔ پولیس سبز وردی والوں کے احکام بلا چون و چرا بجا لاتی۔
جسے کسی والنٹیر نے مناسب سمجھا پکڑ لیا جاتا۔ اور جس کے متعلق اشارہ ہوا۔
رہا کر دیا گیا۔ آپ اس بات کو سُن کر حیران ہوں گے کہ اِن والنٹیروں کی
کمان ایک حلوائی کے ہاتھوں میں تھی جسے عام طور پر پہلوان ملّو کے نام
سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور جو پہلوان ہونے کی وجہ سے نیشنل گارڈز کا افسر
اعلیٰ بن گیا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اِن دنوں پشاور شہر کا حاکم اعلیٰ
یہی شخص تھا۔ اور اسی کے اشارے پر سب کام ہوتے تھے۔

طلّو پہلوان کا دربار

گو آئینی طور پر صوبہ سرحد کا وزیر اعظم عبدالقیوم خان تھا۔ لیکن شہر پشاور کا عملی حاکم اعلیٰ اب طلّو پہلوان کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ سارے شہر میں طلّو پہلوان کے نام کا طوطی بولتا تھا۔ پشاور کا گمنام شہیر فروش آج پشاور میں سب سے بڑی وقعت کا آدمی بنا ہوا تھا۔

پہلوان طلّو کے دربار میں دو خاص رتن تھے۔ ایک تو ناکام اخبار نویس اللہ بخش یوسفی اور دوسرے صاحب اللہ بخش سیٹھی تھے۔ آپ چاہیں۔ تو ان دونوں کو پہلوان طلّو کی وزارت کے ممبر کہہ سکتے ہیں۔ شہر میں جس قدر پولیس تعینات تھی۔ سب کی سب پہلوان طلّو کے اشاروں پر کام کرتی تھی۔ ورنہ مسلم لیگ نیشنل گارڈز بھی تھی۔ جو پہلوان طلّو کی فوج تھی اور گسٹاپو کے فرائض یہی لوگ ادا کرتے تھے۔ یہ والنٹیئر تمام ہندو و سکھوں کے سامنے منڈلاتے رہتے۔ جیسے ہی کوئی ہندو و سکھ کسی کام کے لیئے باہر نکلتا۔ یا کوئی اپنے سامان کا کچھ حصہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا۔ تو یہ لوگ فوراً اسے گرفتار کر لیتے اور پہلوان طلّو کے دربار خاص میں جو مسلم لیگ کے ہیڈ کوارٹر لیا طاگل حسن خاں کے قریب تھا پیش کر دیا جاتا۔ اب یہ بات پہلوان طلّو کی طبیعت پر منحصر تھی۔ کہ اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اگر جناب کے دل میں آئی۔ تو اس کا مال ضبط کر لیا جاتا۔ اور اسے تنبیہ کے بعد چھوڑ دیا جاتا۔ اور اگر دل چاہا تو اسے زدوکوب کرنے کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا جاتا۔ اب پوچھنے والا کون تھا۔ . . . .

. . . . البتہ

کئی ایک معاملات میں اپنے اُن دو رتنوں سے بھی مشورہ لیا جاتا۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

افغانستان کے سابق بادشاہ امان اللہ خان کو جب اپنے مُلک کا تاج و تخت چھوڑ کر جانا پڑا۔ تو وہاں ایک ماشکی برسر اقتدار آگیا۔ جسے بچہ سقہ کے نام سے پُکارا جاتا ہے۔ طلّو پہلوان کے دور چنگیز خانی نے پشاور کے لوگوں کو سقہ شاہی کا زمانہ یاد دلا دیا۔ وہی ظلم وستم وہی چنگیز خانی حکم۔ وہی بربریت۔ وہی وحشت کا دور دورہ تھا۔ جو سقہ شاہی دور کی امتیازی شان تھی۔

مسلم لیگ ہیڈ کوارٹر کے اندر تین کمروں میں تین میزیں لگائی گئیں۔ ایک کمرہ میں ان دنوں پشاور کے حاکم اعلےٰ پہلوان طلّو براجمان ہوتے تھے۔ اور دوسرے دو کمروں میں ان کے دو رتن گرفتار شدہ ہندو یا سکھ کو اور کبھی حالتوں میں مسلمانوں کو بھی سب سے پہلے ڈائریکٹر پہلوان طلّو کے حضور میں پیش کرتے۔ اب یہ مرضی پہلوان طلّو کی تھی۔ کہ پیش کرنے والے کے متعلق خود فیصلہ صادر کر دیں۔ یا اس معاملے کو اپنی کیبنٹ کے دو ممبروں میں سے کسی ایک کو سونپ دیں۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے بھی اور صحیح حالات کو عوام کے سامنے رکھنے کیلئے یہ بھی ضروری جان پڑتا ہے کہ اس دربار خاص کے ایک واقعہ کو یہاں درج کر دیا جائے۔ قصہ یوں ہے۔ کہ ایک ہندو اپنے کوٹ کا کپڑا درزی کی دکان پر سلے کر جا رہا تھا۔ جبکہ راستے میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے والنٹیروں نے اُسے دھر لیا۔ اور کشاں کشاں پہلوان طلّو کے دربار میں لے گئے۔ اس وقت دربار میں ایک مسلمان کا معاملہ پیش تھا۔ جو موم بتی کی چند بیٹیاں لے کر جا رہا تھا۔ پہلے تو اُسے زد و کوب کیا گیا۔ اور جب اُس نے روتے ہوئے بتایا۔ کہ موم بتیاں فلاں سُمم دُکاندار

کی ہیں اور میں انہیں اس کے پاس لے جا رہا ہوں۔ تب اسے چھوڑ دیا گیا۔ البتہ موم بتی کے چند بنڈل بطور جرمانہ رکھ لئے گئے۔ اور ایک والنٹیر نے کہا کہ یہ ہمیں ضرورت ہیں۔ جشن پاکستان کے دن یہاں چراغاں کریں گے۔

اب ایک اور مسلمان پیش ہوا۔ اس نے کہا کہ عجیب پاکستان ہے اور عجیب اسلامی حکومت ہے۔ میں صبح سے کھڑا ہوں۔ لیکن میری طرف غور ہی نہیں ہوتا۔ اس پر چند والنٹیروں نے اسے خوب زد و کوب کیا۔ اور پہلوان طالو نے کہا۔ کہ زبان درازی مت کرو۔ بڑی دقتوں سے بچارے نے جان بچائی

اب اس ہندو کا معاملہ پیش ہوا۔ اور جب اس نے عرض کی۔ کہ جناب میں اپنے کوٹ سلوانے کے لئے کپڑے لیجا رہا ہوں اور جب اس سے کپڑا دیکھا گیا۔ تو اس معاملے کو ایک رتن کے پیش کر دیا گیا۔ جس نے چند سوالات کے بعد کوٹ کا ایک کپڑا رکھ لیا۔ اور اسے چلے جانے کا حکم دیا۔

یہ سلسلہ تھا اور یہ حکومت تھی۔ شہر سے نصف میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے لیگ کے دونوں وزیر اور برطانوی مداری سر جارج کننگھم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ لیکن کسی نے بھی اس غنڈہ گردی کے انسداد کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور محسوس کرتے بھی کیوں؟ جبکہ ان کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں۔ جن کی موجودگی میں ہندوؤں اور سکھوں کے لئے یہاں سے ہجرت کر جانا ضروری ہو جائے۔ ان دنوں برطانوی شاطر سر جارج کننگھم نے جنہیں خاص طور پر لندن کے مداریوں نے ایک بار پھر خاص مصلحتوں کے پیش نظر سرحد کی گورنری کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ گورنمنٹ ہاؤس میں شہر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک میٹنگ طلب کی۔ ہندوؤں سکھوں کے نمائندے وہ بلائے گئے۔ جو ہمیشہ سے برطانیہ کے پٹھو رہنے کا فخر حاصل کرتے آئے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کی نمائندگی لیگیوں کو سونپی گئی۔ پہلوان طالو بھی خاص طور پر

مدعو تھے۔

سر جارج کننگھم نے نہایت معصومانہ انداز میں ہندوؤں اور سکھوں سے دریافت کیا۔ کہ آپ اب یہاں رہنے کو تیار ہیں۔ یا یہاں سے ہجرت کر کے جانا چاہتے ہیں ؟

اس سوال کے جواب میں ہندوؤں سکھوں نے گزارش کی کہ ہم تو یہاں رہنے کو تیار ہیں۔ اور یہاں سے ہجرت کرنا ہمیں پسند نہیں۔

اب جناب لیگیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے دریافت کیا کہ کہیے۔ آپ ہندوؤں سکھوں کو یہاں رکھنے پر تیار ہیں یا نہیں ؟

لیگیوں کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔ کہ ہندو سکھ صرف اسی صورت میں یہاں رہ سکتے ہیں۔ کہ اگر وہ مسلم لیگ کے وفادار رہنے کا اعلان کر دیں بصورت دیگر یہاں اُن کے لیے جگہ نہیں۔

بیکس ہندوؤں سکھوں نے اس انوکھے جواب پر برطانوی شاطر کے منہ کی طرف دیکھا۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ جن قانون کی رُو سے سر جارج کننگھم یہاں بیٹھے ہوئے حکومت کر رہے تھے۔ وہ ہندوؤں سکھوں کی حفاظت کی ذمہ داری کا بوجھ جناب کے کندھوں پر رکھتا ہے۔ یقیناً لیگیوں کے اس سوال کا جواب سر جارج کننگھم خود دیں گے۔

لیکن جن لوگوں نے سر جارج کننگھم پر تکیہ رکھا ہوا تھا۔ انہیں انتہائی مایوسی ہوئی۔

جرنیل امیری اینڈ کمپنی کی مشین کا پُرزہ حق اور انصاف کی کس طرح کہہ سکتا تھا۔ اُس نے تو وہی کچھ کرنا تھا۔ جو طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔ چنانچہ سر جارج کننگھم نے اس سوال کی جوابدہی کلی ہندوؤں سکھوں پر ڈالی۔ اور فرمایا کہ اب بتایئے کہ آپ کی منشا کیا ہے۔

بیچارے ہندو سکھ جواب کے لئے مجبور ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ

پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کی وفاداری کا دم بھریں۔ چنانچہ ہم پاکستان کے وفادار رہنے کا اعلان کر سکتے ہیں لیکن مسلم لیگ یا کسی دوسری سیاسی جماعت کی وفاداری کا دم بھرنا یہ ہمارے لئے کسی طور بھی ممکن نہیں۔

اس معقول جواب کے باوجود سر جارج کننگھم خاموش رہے اور یہ میٹنگ ختم کر دی گئی۔ گویا اس طرح ہندوؤں سکھوں پر یہ بات واضح کر دی گئی۔ کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو اس پارٹی کی وفاداری کا اعلان کر دو جس نے تمہاری تباہی اور بربادی کے لئے ہر منصوبہ بنایا جس نے لاکھوں اور اربوں روپیوں کی جائیدادیں پھونک کر رکھ دیں جس نے کتنے ہی بے گناہ ہندوؤں سکھوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور جس پارٹی کے ظلم وستم سے معصوم بچے بیکس ابلائیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہ بات تبھی مانی جا سکتی تھی۔ اگر سرحد کے ہندوؤں سکھوں کی غیرت کا دیوالہ نکل گیا ہوتا۔ چنانچہ یہ ڈکٹیٹرانہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ حکومت ہندوؤں سکھوں کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھی۔ اقلیتوں کی حفاظت کا بوجھ جن کندھوں پہ قانون نے ڈالا تھا۔ وہ انتہائی ناتواں نظر آتے تھے۔ اس لئے اب ہندوؤں سکھوں کے سامنے اس کے سوا اور کوئی بھی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے پیارے آبائی وطن کو کروڑوں روپیوں کی جائیدادوں کو اربوں روپیوں کے کاروبار کو اپنی غیرت اپنی شان اور اپنی عزت کے لئے قربان کر دیں۔ چنانچہ جب شہر کے مختلف محلوں میں محصور ہندو سکھ عوام کو اس میٹنگ اور اس میں کی گئی بات چیت کا علم ہوا۔ تو سب کے سب سمجھ گئے کہ اب کسی صورت میں بھی مسلم لیگ والے ہندوؤں سکھوں کو یہاں رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس سازش میں لیگ کی وزارت۔ لیگ کا گورنر اور سامراج کے باقی ایجنٹ شامل تھے۔ صرف

دکھاوے کے لئے سیاسی شطرنج کی اس بازی کا مہرہ پہلوان طلّو کو بنایا گیا تھا۔ ورنہ کیا یہ بات کسی حکومت کے لئے دشوار ہے۔ کہ وہ چند آدمیوں کو جو شرارت پر آمادہ ہوں۔ راہِ راست پر نہ لا سکے۔ یا کوئی ایک پارٹی حکومت کی منشا کے خلاف ہو۔ تو اس کے آگے حکومت کی ساری طاقت سارا وقار جھک جاتے۔ لیکن یہاں تو شیطانیت کا کھیل پورا کرنے کے لئے خود سامراجی طاقتیں کام کر رہی تھیں۔ ورنہ کسی کی کیا مجال تھی۔ کہ ہندوؤں سکھوں پر لیگ کی وفاداری پورا کرنے کی شرط لگا دیتا۔

پناہ گزین کیمپ

جن لوگوں کو پاکستانیوں کے ہاتھوں تختۂ ظلم و ستم بننا پڑا۔ جن کا سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ جن کے گھر جلا کر خاک کر دیئے گئے۔ انہیں سرکاری طور پر پناہ دینے کے لئے قلعہ بالا حصار میں ایک پناہ گزین کیمپ کھولا گیا۔ اس کیمپ میں پناہ گزینوں کی حالت انتہائی دگرگوں تھی۔ پہلے تین دن تک تو ان لوگوں کو جنہیں مسلم لیگ سرکار نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ کھانے کے لئے کچھ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

وہ معصوم بچے جو نازوں کے پلے ہوئے تھے اب روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہے تھے۔ ان بیکسوں کے آڑے اگر اب بھی کوئی آیا۔ تو یہ وہی فوجی دستہ تھا۔ جس کے صدائے احتجاج بلند کرنے پر انہیں جلتی ہوئی بھٹی سے نکالنے پر مسلم لیگ سرکار مجبور ہوئی تھی۔ البتہ تیسرے دن عبدالقیوم کی وزارت نے حاتم کی قبر پر لات ماری اور پناہ گزینوں میں صرف آٹا تقسیم

تقسیم کیا گیا۔ اس آٹے میں نصف سے زائد مقدار جو کہ آٹے کی تھی مسلم
لیگ وزارت نے بھی اور مسٹر عبدالقیوم نے بھی آٹا تقسیم کرنے کے بعد غالباً
یہ سمجھ لیا۔ کہ جہاں تک پناہ گزینوں کے متعلق اُن کے فرائض ہیں۔ وہ پورے
ہو چکے۔ آپ اب خیال فرمایئے۔ کہ محض آٹے سے کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ
بیچارے پناہ گزین جن کے پاس سوائے اللہ میاں کے نام کے کچھ بھی نہ
تھا۔ مجبور تھے۔ کہ اپنی خوراک کا خود انتظام کریں۔

شہر کے ان ہندوؤں سکھوں کو جن کے علاقے نذرِ آتش ہونے سے
بچ گئے تھے۔ جب ان حالات کا علم ہؤا۔ تو انہوں نے اپنے بیکس اور مجبور
بھائیوں کی امداد کے لئے کوششیں کیں۔ چنانچہ قلعہ بالا حصار میں سرکاری
پناہ گزینوں کے لئے راشن۔ کپڑے اور برتن وغیرہ ارسال کرنے کا انتظام
اس بیکسی کی حالت میں بھی ہندو سکھ پبلک نے کیا۔

اس سے پناہ گزینوں کو بڑی بھاری امداد ملی۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاتا۔
اور پناہ گزینوں کو صرف عبدالقیوم وزارت کے رحم پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔
تو یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس جلتے ہوئے دوزخ سے
بچ کر جو لوگ قلعہ بالا حصار میں پہنچے۔ اُن میں سے بہت بھوک سے ایڑیاں
رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔ مسٹر عبدالقیوم نے پناہ گزینوں کے حال پر ایک اور
نگاہِ کرم بھی کی یعنی آٹا تقسیم کرنے کے بعد باقی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء
کے متعلق ایک دوکان قلعہ بالا حصار میں کھولنے کی اجازت ایک مسلم لیگی کو
دے دی گئی۔ جس نے مجبور پناہ گزینوں کو لوٹنے کا ایک اور نیا سلسلہ
جاری کر دیا۔ یعنی ایک آنے کا مال ایک روپیہ پر فروخت کیا جانے لگا۔

دوسری طرف پشاور چھاؤنی میں پناہ گزینوں کے دو سرکاری کیمپ کھولے گئے۔
سلوان بلڈنگ میں ایک کیمپ تو گذشتہ ماہ مارچ سے جاری تھا جس میں مختلف
دیہات کے تباہ حال لوگ اب بھی موجود تھے۔ اور جو سلوان کیمپ کے نام

سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور دوسرا صاحب سنگھ بلڈنگ ہیں۔ ان دونوں کیمپوں میں ہزاروں کی تعداد میں پناہ گزین تھے۔ جن کے اخراجات پبلک کی امداد سے چلائے جاتے تھے۔ عبدالقیوم کی وزارت نے ان کیمپوں کے اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری نہ لی۔

مسٹر جارج کننگھم نے ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں کی میٹنگ کا جو ڈھونگ رچا تھا۔ اور جس کی تفصیل گذشتہ باب میں درج کی جا چکی ہے۔ جب دیہات میں اس بات کا چرچا پہنچا۔ دیہات کے ہندوؤں سکھوں کو علم ہوا۔ کہ اب ہمارے لئے باعزت طور پر اس سرزمین پر زندگی بسر کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اور دیہاتوں میں بھی ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ تب مجبوراً وہ بھی شہر اور چھاؤنی کے کیمپوں میں آنے لگے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لئے اور اُن اصحاب کے لئے جو پشاور شہر کی بیرونی آبادیوں میں لیگیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ مندر لال دوارہ میں ایک کیمپ کھولا گیا۔ جس کا انتظام اس مندر کے مہنت شترُوگھن کے ہاتھ میں تھا۔ مختلف دیہات سے جو لوگ تباہ ہو کر پشاور پہنچے۔ اُن میں سے کئی ہی خاندان درگاہ پیر رتن ناتھ میں ٹھہرائے گئے۔ اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری اس ادارہ نے اُٹھائی۔ بہت سے سکھ خاندان گوردوارہ بھائی بیبا سنگھ میں ٹھہرائے گئے۔ جن کی رہائش کا انتظام اس گوردوارہ کی طرف سے کیا گیا۔

اب سارے شہر میں کریم پورہ اور اندرون شہر صرف دو ایسے علاقے تھے۔ جن میں ہندو سکھ اپنے گھروں کے اندر بند تھے۔ اور اسی طرح چھاؤنی میں دو کیمپ تھے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ باقی شہر اور چھاؤنی کے کسی حصے میں ہندو سکھوں کے لئے جانا قطعی طور پر ناممکن تھا۔ ہندوؤں سکھوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی۔ کہ مسلم لیگئے انہیں

کسی صورت بھی اب سرحد میں باعزت طور پر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

گورنر سرحد کے کندھوں پر اقلیتوں کی حفاظت اور اُن کے حقوق کی نگہداشت کا فرض عائد ہوتا تھا۔ لیکن وہ اُسے پورا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ خدائی خدمتگار طاقت جن کا ساتھ ہر حالت میں صوبہ کے ہندو سکھ دے رہے تھے۔ اس وقت ظلم و تشدد سے چکنا چور ہو چکی تھی۔ اور ایک طرح سے مفلوج معلوم ہوتی تھی۔ عوام جنہیں مذہب کے نام پر بھڑکایا اور لوٹ مار پر آمادہ کیا گیا تھا۔ ہندوؤں کے خلاف تھے۔ ایسی حالت میں سوائے اس کے اور کوئی بھی راستہ نہ تھا۔ کہ ہندو سکھ فوراً ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو شہر کے محلّوں میں بند تھے۔ اُنہوں نے کوششیں کیں۔ کہ کسی طور اپنے مال کو اونے پونے فروخت کر دیں۔ لیکن اس راستے میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز اور پولیس اُن کے سدِ راہ تھی۔ مسلم لیگیوں کی نگاہوں میں تو اب ہندوؤں کا مال و دولت اور جائیداد سب پاکستان کا مال تھا۔ اور وہ اُسے کسی صورت بھی فروخت کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ تاہم چند لوگوں کو جنہیں موقع ملا۔ اُنہوں نے پولیس کو بھی اور نیشنل گارڈز کو بھی چاندی کی مار سے رام کر لیا۔ اور اپنا اسباب وغیرہ کسی نہ کسی دام پر فروخت کر دیا۔ بہت سی حالتوں میں یہ دیکھا گیا۔ کہ خریدار مسلم لیگ کے رہنما یا ورکر ہوتے۔ جو سبز وردی میں تو اس چیز کے کٹر مخالف تھے لیکن جب وردی اُتار دیتے تو خود ہی خریدنے پر آمادہ ہو جاتے اور خریدتے بھی کیوں نہ۔ جبکہ روپیہ کا مال ایک آنہ میں مل رہا تھا۔ اس لین دین اور خرید و فروخت میں پولیس اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے خوب وارے نیارے کئے۔ اور اپنے ہاتھ خوب رنگے۔

اب یہ بات پکی ہو گئی کہ ہندو سکھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ اور اگر

رہنا چاہیں تو اُن کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی اپنے مذہب کا تیاگ کر دیں۔ غیور ہندوؤں سکھوں نے اس بات اور مذہب کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ اور اربوں روپیوں کے نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا۔

باوجود لیگیوں کی کوششوں کے اور پاکستانی ریڈیو کی غلط بیانیوں کے مصیبت زدگان کی تباہی اور بربادی کی اطلاعیں پاکستان کی سرحد کے اس پار یعنی ہند میں آ پہنچیں۔ ہند سرکار کی طرف سے پشاور میں مسٹر کے۔ ایل پنجابی کو ڈپٹی ہائی کمشنر مقرر کر کے بھیجا گیا۔ اس سے سرحد کے بیکس اور محصور لوگوں کی ڈھارس بندھی۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ اب ہمارے مصائب کا خاتمہ ہو جائیگا۔

جہادِ کشمیر کے لئے

ہندوؤں سکھوں کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ اور مذہب کے نام پر مسلمانوں کو بھڑکانا ہی مسلم لیگ کی طاقت کا راز تھا۔ یہی وہ حربہ تھا۔ جسے مسلم سرمایہ داروں۔ نوابوں اور جاگیرداروں نے استعمال کیا۔ ہندو اور سکھ تو اس سے تباہ ہونے ہی تھے۔ اور وہ پوری طرح تباہ و برباد ہوئے۔ لیکن غریب مسلم عوام بھی ایک بار پھر ان سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنس گئے۔ پاکستان کے مسلم عوام اس بات کا آج احساس کریں یا نہ کریں۔ لیکن بہت جلد وقت آنے والا ہے۔ جب انہیں محسوس کرنا ہی پڑیگا۔ کہ مذہب کے نام پر دوسروں کو تباہ کرنے والے ساتھ ساتھ خود بھی تباہی کے ایسے گڑھے میں گرتے چلے گئے ہیں جس سے نکلنا اب ان کے لئے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

سرحد کی اقلیتیں تباہ ہو گئیں یا یوں کہیئے کہ مسلم لیگیوں نے جو یہ
نعرہ بلند کیا تھا کہ "بہار کا بدلہ سرحد میں لیں گے"۔ اُسے پورا کر دکھایا۔
جب ہندوؤں سکھوں کے خلاف جہاد تکمیل تک جا پہنچا۔ تو مسلم لیگیوں
نے اپنی تخریبی سرگرمیوں کا رُخ کشمیر کی جانب پھیرا۔ سب سے پہلے
کشمیر کے مسلمانوں پر مہاراجہ کے مظالم کی داستانیں گھڑی جانے لگیں۔
پاکستانی ریڈیو رات دن کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ راج کے ظلم کے افسانے
سنانے میں مشغول رہتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کشمیر پر ہر ممکن طور سے
دباؤ ڈالا جانے لگا۔ تاکہ کشمیر پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دے۔

دوسری طرف پاکستان سرکار نے کشمیر کی نارمل زندگی میں اُلجھنیں پیدا
کرنے کے لئے چینی۔ تیل۔ کپڑا۔ نمک پٹرول اور ضروریات زندگی کی
دوسری چیزیں جو سیالکوٹ کے راستے ریاست کی حدود میں داخل
ہوتی تھیں۔ بند کر دیں۔ لیکن جب اس کے باوجود بھی کشمیر سرکار کی طرف
سے پاکستان میں شمولیت کا اعلان نہ ہوا۔ تب قبائلیوں کو جو پہلے سے
پاکستان کے لئے دردِ سر بن رہے تھے۔ جہاد کے نام پر کشمیر میں لوٹ
کھسوٹ کے لئے بھیجا گیا۔

قبائلی سرداروں۔ ملکوں اور پاکستانیوں کے درمیان یہ بات طے
ہوئی کہ کشمیر میں لوٹ مار کا مال تو قبائلیوں کا ہوگا۔ اور اگر کشمیر کا مورچہ
سر ہو جائے تو وہ پاکستان کے حصے میں سمجھا جائیگا۔ چنانچہ پولیٹیکل
ایجنسیوں کے سارے سرکردہ افسر خود پولیٹیکل ایجنٹ سرحد کا پاکستانی
وزیر اعظم اور مانکی کا ملا اس مہم میں بھی پیش پیش تھے۔ اور ساری سازشیں
طے کرنے میں نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔ اور قبائلی علاقہ میں
کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے چرچے خوب زوروں پر ہوئے۔
ایک پولیٹیکل ایجنٹ نے اس سلسلہ میں قبائلیوں سے ایک جرگہ

میں پشتو میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ کہ اب پاکستان بن گیا ہے۔ لیکن شاید آپ کو اس بات کا علم نہ ہوگا کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے اور پاکستان کسے کہا جاتا ہے۔ پاکستان کا مطلب میں آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔ پاکستان کہتے ہیں۔ پاک جگہ کو۔ اور پاک جگہ تبھی بن سکتی ہے۔ جب ہندوؤں سکھوں سے اس جگہ کو پاک کر دیا جائے۔ کشمیر میں ایک ہندو راجہ مسلمانوں پر ظلم توڑ رہا ہے ظلم کے خلاف لڑنے کیلئے علمائے کرام نے جہاد کو جائز قرار دیا جائے۔ اس لیے آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اس جہاد میں حصہ لیں۔ جو آپ کے کلمہ گو مسلمان بھائیوں کو کافروں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے شروع کیا گیا ہے"

اس طرح کی اور تقریریں کی جاتیں۔ مذہب کا واسطہ دے دے کر لوگوں کو آمادہ فساد کیا جاتا۔ اسلام خطرے میں ہے کا نعرہ بلند کیا جاتا۔ اور سب سے بڑھ کر لوٹ مار کا لالچ تھا۔ جو قبائلیوں کے لیے کشمیر پر چڑھائی کا محرک بنا ہوا تھا۔

چنانچہ جن قبائلیوں نے پہلے پہلے اس نام نہاد جہاد میں حصہ لیا۔ واقعات شاہد ہیں کہ جب وہ کشمیر کے نہتے لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر پشاور پہنچے۔ تو وہ بھی بھاری مقدار میں سونا لوٹ کر ساتھ لائے۔ ان دنوں دوسرے بازاروں کی طرح پشاور کا بازار صرافہ بھی بند تھا۔ شہر کے ہندو سکھ صرافوں کی دکانوں پر تو مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے مسٹر جناح کے نام کی مہریں لگا کر قبضہ کیا ہوا تھا۔ موت کے خوف اور دہشت کے باعث کوئی ہندو

سکھ باہر نکلنے کی جرأت کبھی نہ کرتا تھا۔ میدان میں دو تین مسلم دکاندار تھے۔ جو صرافی کا کام کرتے تھے۔ اس لوٹ میں انہوں نے بھی خوب وارے نیارے کیے۔ چنانچہ کشمیر کی لوٹ کا سونا پشاور کے بازار میں پچاس روپیہ تولہ بکا۔ جو قبائلی لوٹ کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے علاقے میں پہنچے۔ انہیں دیکھ کر دوسرے لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اب وہ بیکسوں پر ظلم ڈھانے کے لیے جہاد کے نام پر اٹھ دوڑے۔ قبائلی لٹیروں کے پہاڑیوں سے اترتے ہی انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ پشاور میں ان ڈاکوؤں کو "غازی" اور "مجاہد" کہا جاتا۔ سرکار کی طرف سے ان کی رہائش اور خوراک کا انتظام تھا۔ ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے اور انہیں سرکاری لاریوں میں بیٹھا کر ضلع ہزارہ کے راستے کشمیر کی سرحدوں پر پہنچا دیا جاتا۔

ان ڈاکوؤں نے جو پاکستانیوں کی نگاہ میں "غازی" اور "مجاہد" ہیں۔ کشمیر جا کر جو ظلم و ستم ڈھائے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہندوؤں سکھوں کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مسلمانوں کو بھی قبائلی ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا۔ آج جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ جسے لیگیوں کی لغات میں "جہاد" کہا جاتا ہے۔ بدستور جاری ہے۔

"انکشاف"

صوبہ سرحد میں لیگی وزارت کی قائمی کے بعد بیکس اقلیتوں کی تباہی اور بربادی کے لئے جو منصوبے مسٹر عبدالقیوم اور اُن کے حواریوں نے تیار کی تھیں اُس میں سرحد مسلم لیگ۔ سرحد کی پاکستانی وزارت کے علاوہ مغربی پنجاب کی لیگی وزارت بھی برابر کی شریک تھی۔

۷ ستمبر سے چار دن پہلے یعنی ستمبر کی ۳ تاریخ کو مغربی پنجاب کی وزارت کے چند آفیسر اور پنجاب کی لیگ کی چند ایک بڑی بڑی توپیں پشاور آ پہنچیں۔ ان سب کے لئے پشاور چھاؤنی سٹیشن کے فسٹ کلاس ویٹنگ روم اور ساتھ کے کمرے مخصوص کئے جا چکے تھے۔ چنانچہ انہیں یہیں ٹھہرایا گیا تاکہ شہر میں اِن لوگوں کی آمد کا چرچا نہ ہو سکے۔ بس یہی وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے پشاور چھاؤنی سٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھ کر یہ ساری سازش تیار کی۔ اور لوٹ مار کے پروگرام کیلئے مناسب ہدایتیں دیں۔ اس حقیقت کا انکشاف ایک شخص بھگوانداس نے کیا۔ جو ۷ ستمبر کو پشاور چھاؤنی کے ریلوے سٹیشن پر اس وقت موجود تھا۔ جبکہ ظلم و ستم کی ابتدا کی گئی۔ یہ شخص ریلوے سٹیشن کے قریب دُکان کیا کرتا تھا۔ جب سٹیشن پر مار دھاڑ شروع ہوئی۔ تو گھبراہٹ میں یہ شخص انکوائری آفس میں جا گھسا۔ اتفاق سے اس وقت دفتر خالی تھا۔ گاڑیاں تو کئی دن سے آنی جانی بند ہو چکی تھیں۔ اس لئے آفس میں کسی بابو کی موجودگی ضروری نہ تھی۔ لیکن جب اس آفس میں اسے خود کو روپوش کرنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی تو یہ بڑا پریشان ہوا۔ آفس سے باہر بے گناہوں کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ ایک عجیب جذبہ تھا۔ انسانیت اور اخلاق کی جگہ وحشت

اور یہ بیت نے لے رکھی تھی۔ ایسے وقت میں اس کا باہر نکلنا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا۔ یکایک اس کی نگاہ آتش دان پہ پڑی۔ اور ایسے وقت میں اس نے اسے نہایت محفوظ خیال کیا۔

چنانچہ فوراً ہی اس نے آتش دان کے قریب کرسیاں اور میزیں رکھ کر اسے محفوظ کمین گاہ بنالیا۔ اور خود اس میں بیٹھ گیا اور اس طرح خود کو روپوش کر لیا۔ انکوائری آفس میں ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ جب فساد کی ابتدا ہو ئی۔ کمزوروں اور نہتوں کے خون سے ہاتھ رنگے جانے شروع ہوئے۔ تب کئی بار ایک پولیس آفیسر انکوائری میں آیا۔ اور اس نے پیغام دینے کیلئے بار ٹیلیفون کا استعمال کیا۔ عام طور پہ یہ پیغام ایک ہی طرز تھا۔ اور اس کے الفاظ کچھ اس طرح کے ہوتے تھے۔

"آپ کی ہدایات پہ پورا پورا عمل ہو رہا ہے
اور تقریباً سارا کام پروگرام کے مطابق
طے ہوتا جا رہا ہے"

اس کے بعد اس پولیس افسر نے کئی بار کمرے کے باہر سپاہیوں کو بھی ہدایات دیں۔ جو عام طور پہ اس قتل اور غارت گری سے تعلق رکھتی تھیں۔ جو لیہ اور جھاونی ریلوے سٹیشن پہ ہوئے۔

ایک بار ٹیلیفون کرنے کے لئے جب یہ افسر کمرے کے اندر آیا۔ تو اس کی نگاہ آتش دان میں چھپے ہوئے ہمگوانداس کے پاؤں پہ پڑی۔ چنانچہ فوراً ہی اس نے بازو سے کھینچ کر اُسے باہر نکالا اور ایک پولیس کانسٹیبل کی حراست میں دے دیا۔

اس کانسٹیبل کی ڈیوٹی فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم اور اُن کمروں پہ تھی۔ جن میں سازشی قیام پذیر رہے۔ چنانچہ یہ کانسٹیبل اسے انہیں کمروں میں لے گیا۔ یہاں استعمال شدہ سگریٹوں کے ٹکڑے، چھلوں

کے چھینکے اور اکل و شرب کی دوسری کئی چیزیں پڑی تھیں۔ جن کے متعلق بھگوانداس نے کانسٹیبل سے پوچھا۔ کانسٹیبل شریف آدمی تھا۔ اُس نے جہاں اس قتل و غارت کی نگرانی کی۔ وہاں یہ بات بھی بتا دی کہ یہ ساری تجاویز پنجاب سے آئے ہوئے افسروں نے یہاں بیٹھ کر مرتب کی ہیں اور یہ تو اس ظلم و ستم کی ابتدا ہے۔ جو ابھی کیا جانے والا ہے۔
بعد ازاں یہ شخص پولیس کی حراست سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس نے جا کر قلعہ بالا حصار کے پناہ گزین کیمپ میں خود کو روپوش کر لیا۔ پولیس اس کی کھوج باہر کرتی رہی۔ اور یہ پولیس کی حفاظت میں اپنے دن گذارتا رہا۔ جس کے بعد ۲۳۔ اکتوبر کو قلعہ بالا حصار کے پناہ گزینوں کو اُن گاڑیوں میں لاکر ہند کی جانب بھیجا گیا۔ جو گاڑیاں مال لیجانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ انہیں میں بیٹھ کر یہ شخص بھی پاکستانی حدود کو پار کر آیا۔ اس کے بعد ایک دوسری گاڑی میں جو ۲۸۔ اکتوبر کو پشاور چھاؤنی کے ریلوے سٹیشن سے روانہ ہوئی۔ چھاؤنی میں رہنے والے پناہ گزینوں کو اٹک کے پار پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے یہ واہ کے پناہ گزین کیمپ میں پہنچے۔ جس کا انتظام ہند سرکار کے فوجی نظام کے ہاتھوں میں تھا۔

الوداع

قلعہ بالا حصار اور پشاور چھاؤنی کے پناہ گزین کیمپوں سے ہندوؤں
سکھوں کے چلے جانے کے بعد شہر میں جو ہندو سکھ رہ گئے۔ ان میں
گھبراہٹ اور پریشانی زیادہ پیدا ہو گئی۔ ایک طرف تو یہ بیکس بدستور
گھروں میں محصور تھے۔ دوسری جانب پاکستانیوں نے کشمیر کا مورچہ
گرم کر رکھا تھا۔ ہر روز سینکڑوں قبائلی مسلح پشاور پہنچتے۔ جن کی
رہائش اور خوراک کا انتظام سرحد کی پاکستانی سرکار کرتی اور پھر
انہیں ٹرکوں میں سوار کر کے ہزارہ کے راستے کشمیر پہنچا دیا جاتا۔ اور
اگر کسی دن کشمیر کے محاذ پر جہنم واصل ہونے والے کسی لیڈر کی
لاش پشاور لے آتے۔ تو وہ دن بھی ہندو سکھوں کے لئے زیادہ
مصیبت کا دن بن جاتا اور اس امر کا زبردست خدشہ پیدا ہو جاتا
کہ آج کوئی نہ کوئی خاص واردات ہو جائے گی۔ اور کئی حالتوں میں
اس طرح کے دن کسی نہ کسی کو زخمی کر دیا جاتا۔ ایک تو ہندو سکھ
پہلے گھروں میں محصور تھے۔ کاروبار اُن کے تباہ ہو چکے تھے۔ مال و اسباب
لوٹ لیا گیا تھا۔ دوسرے کشمیر کی لوٹ کھسوٹ یا نام نہاد جہاد نے اور
بھی آفت برپا کر رکھی تھی۔ ہندوؤں سکھوں پر عرصۂ حیات تنگ
ہو چکا تھا۔ سرحد کا پاکستانی وزیر ایسے حالات میں بھی اُنہیں ہند
جانے کے متعلق سہولتیں دینے سے صاف انکار کر چکا تھا۔ ایسی
حالت میں لوگ مجبور تھے۔ کہ ہند سے آنے والے ہوائی جہازوں
پر سفر کریں۔ چنانچہ اب جہازوں کی ایک عجیب بلیک مارکیٹ جاری
تھی۔ روپیہ والے لوگ ایک روپیہ کی بجائے سو روپیہ دے کر سفر

کرنے لگے۔ اور غریب وہیں محصور موت کی گھڑیاں گننے پر مجبور تھے۔

ایسے نازک وقت میں سرحدیوں کا کوئی لیڈر نہ تھا۔ کوئی رہنما نہ تھا۔ اور کوئی بیکسوں کا پرسان حال نہ تھا۔ ایک عجیب کس مپرسی کا دور تھا۔ دوسری طرف پاکستان کی وزارت نے کئی ہندو کانگریسی ورکروں کو گرفتار کر لیا۔ اور کئی ورکروں کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے۔ سارے سرحد میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا۔ جو اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرتا۔ خدائی خدمتگار تحریک پر بھی ایک سکوت سا طاری تھا۔ اور بادشاہ خان اپنے مرکز میں دن کاٹ رہے تھے

اس کے ساتھ پاکستانی وزارت نے ہندوؤں سکھوں کی اُن دکانوں کو بھی نیلام کرنا شروع کر دیا۔ جن کے مالک پشاور میں موجود تھے۔ اور یہ دکانیں ان لوگوں کی بجائے جو مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پشاور آ گئے تھے۔ عام طور پر پشاور کے بیوپاریوں نے حاصل کیں۔ آپ پاکستان کی سفہ شاہی کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ پشاور میں موجود ہندو یا سکھ کی دکان نیلام ہوتی ہے۔ لیکن اُسے خبر تک نہیں دی جاتی۔ مثال کے طور پر مہنتہ کندن لال اینڈ کمپنی کی مشہور کیمسٹ کی دکان اُنکے اُن نے نیلام کر دی گئی۔ دکان میں ہزاروں روپوں کا مال تھا۔ نیلامی کے وقت آپ پشاور میں موجود تھے۔ لیکن اُن سے پوچھا تک نہیں گیا۔ اسی طرح چیلا رام شوقی کی دکان نیلام ہوئی۔ ان کی دکان میں بھی کافی مالیت کا سامان تھا۔ لیکن پشاور میں ان کی موجودگی کے باوجود انہیں نیلام کی اطلاع تک دینی ضروری خیال نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی اور کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ہر دکان کو نیلام کرنے کے بعد مالک دکان کے پشاور میں موجود ہونے کے باوجود روپیہ پاکستان کے خزانے میں داخل کیا جاتا۔ اور کیا بھی کیوں نہ جاتا۔ جبکہ پاکستان

قائم ہو چکا تھا۔ پاکستان کے مسلمانوں نے تو یہی مطلب سمجھا ہوا ہے کہ ہندوؤں سکھوں کا مال اُن کا اپنا مال ہے۔

ہندوؤں سکھوں کی جو جائیداد لیگیوں کو پسند آئی۔ اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ نیشنل ہائی سکول میں لوٹ کا وہ مال رکھا ہوا تھا۔ جو ہندوؤں سکھوں کی دکانوں اور مکانوں سے لوٹا گیا تھا۔ اس کو بھی نیلام کر کے روپیہ سرکاری خزانے میں داخل کر لیا گیا۔ درگاہ پیر رتن ناتھ کی ایک بہت بڑی سرائے کچہری دروازہ کے باہر ہے۔ اُسے لیگیوں نے اسلامی سرائے کا نام دے کر اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ شہید بنگہ کا تواریخی گوردوارہ جو قلعہ بالا حصار کی بغل میں ہے۔ اُسے انجمن تعلیم القرآن کے دفتر کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ خالصہ ہائی سکول کی بلڈنگ میں مسلم مہاجرین کے لئے ایک کیمپ کھولا گیا۔

یہ حالات تھے۔ کاروبار تقریباً بند تھا۔ ہندوؤں سکھوں کے لئے عملی طور پر زندگی بسر کرنی دشوار کر دی گئی تھی۔ اس لئے مجبوراً مجھے بھی ۵ نومبر کی منحوس صبح کو اپنے پیارے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اور اسی دن جہاز میں سوار ہو کر میں انبالہ آ پہنچا۔

پشاور میں ہوائی جہازوں کے اڈے پر جس طرح جانے والوں کو بے عزت کیا جاتا ہے ایک علیحدہ داستان ہے۔ جسے طوالت کی وجہ سے فی الحال بیان نہیں کر سکتا۔